UNIVERSAL LIBRARY
OU_222711
UNIVERSAL LIBRARY

۷۸۶

دیوان میر درد

بفرمائش

شیخ مبارک علی تاجر کتب

اندرون لوہاری دروازہ لاہور

سنہ ۱۹۲۲ء

در مطبع کریمی واقع لاہور باہتمام میر امیر بخش طبع شد

قیمت فی جلد

۶ر

٢٩٣٣٧
1952
Checked 1969

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Checked 197

ردیف الالف

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

اس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گذر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد تجھی سے ہے تو گھر دیر و حرم کا

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب سے
اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

ماہیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیرا
اعیان ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا

یاں افتقار کا تو امکان سبب ہوا ہے
ہم ہوں نہ ہوں ولے ہے ہونا ضرور تیرا

باہر نہ آسکے تو قید خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا

جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف سے
جی میں سما رہا ہے از بس غرور تیرا

اے درد منبسط ہے ہر سو کمال تیرا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراج خزاں
آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا

ہو گیا مہمان سرائے کثرت موہوم آہ
وہ دل خالی جو تیرا خاص خلوت خانہ تھا

بھول جا خوش رہ عبث وہ سابقے مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

کبھو خوش بھی کیا ہے دل کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

چھپے ہرگز نہ مثل بو وہ پردوں کے چھپائے سے
مزا پڑتا ہے جس گل پیرہن کو بے حجابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یاں فرصت ہستی
فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

میں اپنا درد دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

کبود چرخ دیکھا تو سواری کے نہیں قابل
مہ نو سے ہے پیدا عیب اس کی بدرکابی کا

زمانے کی نہ دیکھی جرعہ ریزی درد کچھ تو نے
ملایا مثل مینا خاک میں خون ہر شرابی کا

جان پر کھیلا ہوں میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یار ہے مجھ کو ادھر دیکھنا

گرچہ وہ خورشید رو بت ہے مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

ذکر وفا کیجیے اس سے جو واقف نہ ہو
کہتے ہو کس سے یہ تم ٹک تو ادھر دیکھنا

مثل شرر رنگ چشم ہستی بے بود ہے
دیکھ نہ سکنا اسے ٹک بھی جدھر دیکھنا

نالۂ دل کا اثر دیکھ کیا درد بس
جی میں نہ رہ جائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

اکسیر پر ہوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

کب دل ملے کسی کا ہم غمزدوں سے مل کر
ہے اپنے دل سے لازم جوں غنچہ ساز کرنا

اے آنسوؤ نہ آوے کچھ دل کی بات منہ پر
لڑکے ہو تم کہیں مت افشائے راز کرنا

تو اپنے ہاتھوں آپ ہی پڑتا ہے تفرقہ میں
اے امتیاز ناداں ٹک امتیاز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا
ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

یا رب یہ دل ہے یا کوئی مہمان سرائے ہے
غم رہ گیا کبھو کبھو آرام رہ گیا

ساقی مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر
لب تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہ گیا

سو بار سوز عشق نے دی آگ پر ہنوز
دل وہ کباب ہے کہ جگر خام رہ گیا
ہم کب کے جل بسے تھے پر اک مژدہ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا
مدت سے وہ تپاک تو موقوف ہو گئے
اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

از بسکہ ہم نے حرف دوئی کا اٹھا دیا
اے درد اپنے وقت میں ابہام رہ گیا

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

زور عاشق مزاج ہے کوئی
درد کو قصہ مختصر دیکھا

عاشق بے دل ترا یاں تک توجہ سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے آگ کا یاں ڈھیر تھا
حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یاں
اپنے اپنے بورئے پر جو گدا تھا شیر تھا
اشک نے میرے ملائے کتنے ہی دریا کے پاٹ
دامن صحرا میں ورنہ اس قدر کب گھیر تھا

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ ہی کا پھیر تھا

کام یاں جس نے جو کہ ٹھیرایا
جب تلک ہووے آپ کام آیا
بے طرح کچھ الجھ گیا تھا دل
بے وفائی نے تیری سلجھایا
آنسو کب تک کوئی پیئے جاوے
اس محبت نے جی بہت کھایا
دشمنی نے سنا نہ ہووے گا
جو ہمیں دوستی نے دکھلایا

ہم نہ کہتے تھے منہ نہ چڑھ اس کے
درد کچھ عشق کا مزا پایا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو تیرے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
گلی سے تری دل کو لے تو چلا ہوں
میں پہونچوں گا جب تک یہ آتا رہیگا
جفا سے غرض امتحان وفا ہے
تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا
قفس میں کوئی تم سے اے ہمصفیرو
خبر گل کی ہم کو سناتا رہے گا

خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تھا
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

جی میں ہے سیر عدم کیجئے گا
یک بیک خلق سے رم کیجئے گا
مورد قہر تو یاں ہم ہی ہیں
اور کس پر یہ کرم کیجئے گا
سخت بے باک ہے یہ خامۂ شوق
اپنے ہاتھوں کو قلم کیجئے گا
ٹک بھی گردوں نے اگر فرصت دی
عیش کو کشتۂ غم کیجئے گا
گرمی اشک سے مانند شراب
آب و آتش کو بہم کیجئے گا
سینۂ و دل کے تئیں داغوں سے
رشک گلزار ارم کیجئے گا
قصد ہے قطع بطور مستاں
عرصۂ دیر و حرم کیجئے گا
لہر جب آویگی جی میں جوں برق
راہ طے اک دو قدم کیجئے گا

شدت مہر بتاں دل سے آہ
درد کس طرح سے کم کیجئے گا

ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا
پر اُسے آہ نے اثر نہ کیا
سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما
اس طرف کو کبھو گذر نہ کیا
کیوں بھویں تانتے ہو بندہ نواز
سینہ کس وقت میں سپر نہ کیا
کتنے بندوں کو جان سے کھویا
کچھ خدا کا بھی تم نے ڈر نہ کیا
دیکھنے کو رہے ترستے ہم
نہ کیا رحم تو نے پر نہ کیا
آپ سے ہم گذر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

کونسا دل ہے وہ کہ جس میں آہ
خانہ آباد تو نے گھر نہ کیا

تجھ سے ظالم کے سامنے آیا
جان کا میں نے کچھ خطر نہ کیا

سب کے جوہر نظر میں آئے درد
بے ہنر تو نے کچھ ہنر نہ کیا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں جو پہنچا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

پرورش غم کی ترے یاں تئیں تو نے دیکھا
کوئی بھی داغ تھا سینے میں کہ ناسور نہ تھا

درد کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا

اس نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا

دیکھیے غم سے اب کے جی میرا
نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا

دل زمانے کے ہاتھ سے سالم
کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا

حال مجھ غمزدے کا جس تس نے
جب سنا ہوگا رو دیا ہوگا

دل کے پھر زخم تازے ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا

یک بیک نام لے اٹھا میرا
جی میں کیا اس کے آگیا ہوگا

قطعہ

میرے نالوں پہ کوئی دنیا میں
بن کیے آہ کم رہا ہوگا

لیکن اس کو اثر خدا نے
نہ ہوا ہوگا یا ہوا ہوگا

قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بدخواہ نے کہا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

رکھتا ہوں ایسے طالع بیدار میں کہ رات
ہمسایہ میرے نالوں کی دولت نہ ہو سکا

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

دشت عدم میں جا کے نکالوں گا جی کا غم
کنج جہاں میں کھول کے دل میں نہ رو سکا

جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر
تو بھی تو درد داغ جگر میں نہ دھو سکا

انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہوا ہو کسی کی نگاہ کا

زاہد کو ہم نے دیکھ لیا جوں نگیں بعکس
روشن ہوا ہے نام تو اس روسیاہ کا

ہرچند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں
لیکن عجب مزا ہے فقط دل کی چاہ کا

لیکر ازل سے تا بہ ابد ایک آب ہے
گردش میں جان حساب نہ ہو سال و ماہ کا

رحمت قدم نہ رنجہ کرے گر تری ادھر
یارب سہے کون پھر تو ہمارے گناہ کا

دل اُس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی
اے بے خبر بُرا ہے یہ فرقہ سپاہ کا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

سو بار دیکھیں میں نے تری بیوفائیاں
نس پر بھی نت غرور ہے دل میں نباہ کا

اے درد چھوڑتا ہی نہیں مجھکو جذب عشق
کچھ کہربا سے بس نہ چلے برگ کاہ کا

دل کس کی چشم مست کا سرشار ہو گیا
کس کی نظر لگی جو یہ بیمار ہو گیا

کچھ ہے خبر تجھے بھی کہ اٹھ اٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا

بیٹھا تھا خضر آ کے مرے پاس ایکدم
گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہو گیا

چاک جگر تو سینکڑوں خاطر میں کچھ نہ تھے
دل کی تپش کے آگے میں ناچار ہو گیا

کھٹکی کبھو نہ لوں میں نہ تیری صدا جرس
نالہ مرا تو چھوٹتے ہی پار ہو گیا

اے درد ہم سے یار ہے اب تو سلوک میں
خط زخم دل کو مرہم زنگار ہو گیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گذر کیا — ہم نے ہی اس جہان سے آخر سفر کیا
جن کے سبب سے دیر کو تو نے کیا خراب — اے شیخ اُن بتوں نے مرے دل میں گھر کیا
تیرے سبب سے اور بھی مجھ پر غضب ہُوا — اے نالہ واہ خوب یہ تو نے اثر کیا
کم فرصتی نے ہستئ بے اعتبار کی — شرمندہ تیرے آگے ہمیں اے شرر کیا
پیکان دل کے ساتھ ہُوا جب معاوضہ — سینہ سے تب خدنگ نے تیرے گذر کیا

روتا ہے گرم جوشی سے یاد کر کے درد
آتش نے مجھ کو شمع کے مانند تر کیا

شب گذری اور آفتاب نکلا — تو گھر سے بھلا شتاب نکلا
اے آتش عشق جس کو ہم یاں — دل سمجھے تھے سو کباب نکلا
ایدھر کو جو مسکرا کے دیکھا — کچھ تو جی سے حجاب نکلا
ہر چند کئے ہزار نالے — پر دل سے نہ اضطراب نکلا

میخانۂ عشق میں تو اے درد
تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک دل متوطن ہے سفر کا — معلوم نہیں اس کا ارادہ ہی کدھر کا
جوں چاہئے اس طرح بیاں ہم سے نہ ہوگا — گر اپنے دہن ہی سے تو وصف اپنی کمر کا
آزاد کسی کی بھی اٹھاتے نہیں منت — دیکھا نہ کسی سرو کو نہ بار ثمر کا
بے خون جگر داغ تو مرجھا ہی چلے تھے — ہوتا نہ اگر چشمہ مرے دیدۂ تر کا

کہسار پہ ہر رنگ یہ کہتا تھا پکارے
اے درد مقر ہوں ترے نالوں کے اثر کا

ٹھہر جا اک بات کی بات اے صبا — کوئی دم کو ہم بھی ہوتے ہیں ہوا
لے نہ جاوے حرص اہل فقر کو — بہ سکے کب موج نقش بوریا
رات جب پہنچا میں اس کے روبرو — جوں زبان شمع گم تھا مدعا
کھل گیا جو کچھ کہ تھا اے نیستی — ہستی موہوم کا یاں افترا

درد میری تیرہ بختی کے تئیں
ڈھونڈھیو ہمسایۂ ظلِ ہما

کھلا دروازہ میرے دل پہ ازبس اور عالم کا
نہ اندیشہ ہے شادی کا مجھے نے فکر ہے غم کا

بلند و پست سب ہموار ہیں اپنی نگاہوں میں
برابر ساز میں ہوتا ہے خوں سر زیر اور بم کا

گلستانِ جہاں کی دید کیجو چشمِ عبرت سے
کہ ہر اک سرو قد ہے اس چمن میں نخلِ ماتم کا

چمن میں باغباں سے صبح کو کہتی تھی یہ بلبل
گلوں کے منہ پہ یوں چڑھتی ہے دیدہ بیچ شبنم کا

نہیں مذکور شاہاں درد ہرگز اپنی مجلس میں
کبھو کچھ ذکر آیا بھی تو ابراہیم ادہم کا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجومِ یاس جی گھبرا گیا

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری
جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

میں نے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

پی گئی کتنوں کا لوہو تیری یاد
غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

مٹ گئی تھی اُس کے جی سے تو جھجک
درد کچھ بک بک کے تو چونکا گیا

دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا
پر منہ پھر اس طرف نہ کیا اُس نے جو گیا

پھرتی ہے میری خاک صبا دربدر لئے
اے چشمِ اشکبار کیا تجھ کو ہو گیا

آگاہ اس جہاں سے نہیں غیر بیخوداں
جاگا وہی اِدھر سے جو موند آنکھ سو گیا

طوفانِ نوح نے تو ڈبائی زمیں فقط
میں ننگِ خلق ساری خدائی ڈبو گیا

برہم کہیں نہ ہو گل و بلبل کی آشتی
ڈرتا ہوں آج باغ میں وہ تندخو گیا

واعظ کسے ڈرائے ہے یوم الحساب سے
گریہ مرا تو نامۂ اعمال دھو گیا

پھولے گی اس زبان میں گلزارِ معرفت
یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا

آیا نہ اعتدال پہ ہرگز مزاجِ دہر
میں گرچہ گرم و سردِ زمانہ سمو گیا

اے دردؔ جس کی آنکھ کھلی اس جہان میں
شبنم کی طرح جان کو اپنی وہ رو گیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دُنیا کو دیکھا نہ دیکھا

مرا غنچۂ دِل ہے وہ دِل گرفتہ
کہ جس کو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا

یگانہ ہے وہ آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

اذیت مصیبت ملامت بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا

تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
اِدھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

حجاب رُخ یار تھے آپ ہی ہم
کھلی آنکھ جب کوئی پردہ نہ دیکھا

شب و روز اے دردؔ درپے ہوں اُسکے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

نشہ کیا جانے وہ کہنے کو مے آشام ہے شیشا
جہاں میں دختر رز سے عبث بدنام ہے شیشا

صراحی و کدو تک خلق اے ساقی بھرے لے ہے
مگر اپنا ہی خالی جوں دِل ناکام ہے شیشا

شب و روز اِس طرح گزرے ہے اپنی تو نہ پوچھو کچھ
صراحی صبح کو گر ہاتھ ہے تو شام ہے شیشا

نگاہ مست اِن آنکھوں کی ٹک اِدھر بھی ہو ساقی
کہ ہم کم حوصلوں کے حق میں ہر اک جام ہے شیشا

نہ ہو گل گل شگفتہ کیونکہ دل اے دردؔ مستوں کا
مے گلگوں کی دولت سر بسر گلفام ہے شیشا

تو بن کہے گھر سے کل گیا تھا
اپنا بھی تو جی نکل گیا تھا

اب دِل کو سنبھالنا ہے مشکل
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا

آنسو مرے جو اُنھوں نے پونچھے
کل دیکھ رقیب جل گیا تھا

پھر ہونے لگا یہ دل تو بے چین
کتنے روزوں بہل گیا تھا

بارے پھر مہرباں ہوا ہے
بے طرح سے کچھ مچل گیا تھا

شب ٹک جو ہوا تھا وہ ملائم
اپنا بھی تو جی پگھل گیا تھا

ہیں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹھ اُس کا بھی درد ہل گیا تھا

یوں ہی ٹھہری کہ ابھی جائیے گا
پھر شتابی تو بھلا آئیے گا

جی کی جی ہی میں نہ رکھ جائیے گا
بات جو ہوگی سو فرمائیے گا

رُخ ہمارا ابھی اگر پائیے گا
تو تو منہ اپنا بھی دکھلائیے گا

میں جو پوچھا کبھو آؤ گے کہا
جی میں آجائے گا تو آئیے گا

کیونکر گزرے گی بھلا دیکھوں ہوں
گر اسی طرح سے شرمائیے گا

میں خدا جانے یہ کیا دیکھوں ہوں
آپ کچھ جی میں نہ بھرمائیے گا

میرے ہونے پہ عبث رکتے ہو
پھر اکیلے بھی تو گھبرائیے گا

پوچھ کر حال تو پھر سنتے نہیں
بس مجھے اور نہ بکوائیے گا

کبھو ہم کو بھی بھلا کوچوں میں
پھرتے چلتے نظر آجائیے گا

زلف میں دل کو تو اُلجھاتے ہو
پھر اُسے آپ ہی سمجھائیے گا

خدمت اوروں ہی کو فرماتے ہو
کبھو بندے کو بھی فرمائیے گا

قتل تو کرتے ہو مجھ کو لیکن
بہت سا آپ ہی پچھتائیے گا

حرم و دیر تو ہم چھان چکے
کہیں اُس کا بھی نشاں پائیگا

درد ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھائیے گا

بظاہر کہیں غنچہ دل سے ملا تھا
کل اُس کا گریبان و دست قضا تھا

تمنا مرخص ہوئی نا امیدی سے
یہ کیا ہو گیا اور مرے دل میں کیا تھا

جو اس طرح غیروں سے ملتا پھرے ہے
کبھی تو ہمارا ابھی وہ آشنا تھا

کہا میں مرا حال تم تک بھی پہونچا
کہا تب اچھا سا کچھ میں سنا تھا

برائی تری کچھ نہیں بات کیا ہے
مرا دل ہی یہ میرے حق میں بُرا تھا

تم آکر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے
نگاہوں میں جادو سا کچھ کر دیا تھا

بلائیں جو کچھ اُس کے ملنے سے دیکھیں
نہ ملتے تو اے دردؔ اس سے بھلا تھا

اپنا تو نہیں یار۔ میں کچھ یار ہوں تیرا — تو جس کی طرف ہووے طرفدار ہوں تیرا
کڑھنے پہ مرے جی نہ کڑھا تیری بلا سے — اپنا تو نہیں غم مجھے غمخوار ہوں تیرا
تو چاہے نہ چاہے مجھے کچھ کام نہیں ہے — آزاد ہوں اس سے بھی گرفتار ہوں تیرا
تو ہووے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم — تو گل ہے مری جان تو میں خار ہوں تیرا
ہے عشق سے میرے ہی ترے حسن کا شہرہ — میں کچھ نہیں پر گرمی بازار ہوں تیرا
میری بھی طرف تو کبھی آجا مرے یوسف — بوڑھیا کی طرح میں بھی خریدار ہوں تیرا

اے دردؔ مجھے کچھ نہیں اب اور تو آزار
اُس چشم سے کہہ دینا کہ بیمار ہوں تیرا

تو کب تئیں مجھ ساتھ مری جان ملیگا — ایسا بھی کبھو ہوگا کہ پھر آن ملے گا
چلئے کہیں اُس جا پہ کہ ہم تم ہوں اکیلے — گوشہ نہ ملے گا کوئی میدان ملے گا
شیوہ نہیں اپنا تو عبث ہرزہ یہ بکنا — کچھ بات کہیں گے جو کوئی کان ملے گا
رو بیٹھے گا میری ہی طرح دین کو اپنے — کافر جو ترے ساتھ مسلمان ملے گا
نزدیک ہے پر اپنے بلانے سے کئے دے — مل جائے گا تو دور سے پہچان ملے گا
یوں وعدے ترے دل کی تسلی نہیں کرتے — تسکین تبھی ہووے گی تو جس آن ملے گا

اے دردؔ کہا میں نے ملو جس سے کہا ہو
کہنے لگا تجھ سا کوئی انسان ملے گا

سحر ہوتے ہی اُٹھ کر وہ جو گھر سے باہر آ نکلا — اُدھر ہی اتفاقاً پھرتے پھرتے میں بھی جا نکلا
مرے دل کو جو لو ہر دم بھلا اتنا ٹٹولے ہے — تصور کے سوا تیرے بتا تو اس میں کیا نکلا
میں اپنا حال کہہ سارا جو پوچھا وعدہ آنے کا — کہا سن سن کے سب باتوں کو آخر مدعا نکلا
مری تعریف کی تھی اس سے بعضوں نے سو وہ سنکر — لگا کہنے جو سنتے تھے وہ اپنا آشنا نکلا
ملے ہے دردؔ اسکے ساتھ تو دیکھا غریبی سے — گھمنڈ اسکے جو تھا جی میں سو اب شاید گیا نکلا

ترے کہنے سے میں از بسکہ باہر ہو نہیں سکتا
ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا

کہا جب میں ترا بوسہ تو جیسے قند ہے پیارے
لگا تب کہنے پر قند مکرر ہو نہیں سکتا

دل آوارہ الجھے ہے یاں کسو کی زلف سے یارب
علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا

مری بے صبریونکی بات سن سب سے وہ کہتا ہے
تحمل مجھ سی بھی تو حال سن کر ہو نہیں سکتا

کرے کیا فائدہ ناچیز کو تقلید اچھوں کی
کہ خم جانیسے کچھ اولا تو گوہر ہو نہیں سکتا

نہیں چلتا ہی کچھ اپنا تو تیرے عشق کے آگے
ہمارے دل پہ کوئی اور تو ڈر ہو نہیں سکتا

ق
کہا میں یوں تو ملجاتے ہو آکر بعد مدت کے
اگر چاہو تو یہ کیا تم سے اکثر ہو نہیں سکتا

لگا کہنے سمجھ اس بات کو ٹک تو کہ جلد اتنا
ترے گھر آنے جانے میں مرا گھر ہو نہیں سکتا

بچوں کس طرح میں اے درد اس کی تیغ ابرو سے
کہ جس کے سامنے آ کوئی جانبر ہو نہیں سکتا

جب تک ہے دل کے شیشہ میں رنگ امتیاز کا
ہے اے پری تجھی تئیں آئینہ ناز کا

جس کے جناب کے یہ سبھی ناز ہیں نیاز
دامن ہے ہاتھ میں مرے اُس بے نیاز کا

ہے کوتہی اجل کی طرف سے ہی ورنہ میں
اک عمر سے اسیر ہوں زلف دراز کا

اے درد اس جہان میں آکر صدائے غیب
بے پردہ ہوئے جس سے وہ پردہ ہے ساز کا

گل و گلزار خوش نہیں آتا
باغ بے یار خوش نہیں آتا

اے جنوں جیب میں ترے ہاتھوں
ایک بھی تار خوش نہیں آتا

کیا جفا کے سوا تجھے کچھ اور
اے ستمگار خوش نہیں آتا

درد ہم کو یہ رات دن تیرا
نالۂ زار خوش نہیں آتا

بھرا مے سے نہیں یہ نور سے معمور ہے شیشا
تجلی پر نظر کر اُس کی کوہ طور ہے شیشا

شتابی میکدہ میں آ کہیں تجھ بن کہ اے ساقی
پڑا ہے جام بے کیفیت و مخمور ہے شیشا

بغل میں اپنی بیٹھا ہے لئے یہ دختر رز کو
نہ پوچھو اُس کو مینا دانۂ انگور ہے شیشا

بچایا محتسب کے ہاتھ سے اے درد میں لیکن
مرے دل کی طرح میری بغل میں چور ہے شیشا

اے شانہ تو نہ ہو جو دشمن ہمارے جی کا	کہیں دیکھیو نہ ہووے زلفوں کا بال بیکا
پھیلا ہے کفریاں تک کافر ترے سبب سے	شمع حرم بھی دے ہے ماتھے پہ اپنے ٹیکا
گذرا تھا بعد مدت وہ سامنے سے ہوکر	اے کوتہی نالہ یہ وقت تھا گئی کا
جوں شمع تو نے جیدہر نظریں اٹھا کے دیکھا	پروانہ وار جی ہی جاتا رہا کئی کا
تو بھی نہ اگر ملا کرے گا	عاشق پھر جی کے کیا کرے گا
اپنی آنکھوں اُسے میں دیکھوں	ایسا بھی کبھو خدا کرے گا
گر ہیں یہی ڈھنگ تیرے ظالم	دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا
اہل زمانہ آگے بھی تھے اور زمانہ تھا	پر اب جو کچھ کہے تو کسو نے سنا نہ تھا
چٹکا عبث نہیں کوئی غنچہ چمن میں آہ	اے توسن بہار تجھے تازیانہ تھا
باور نہیں ابھی تجھے غافل پہ عنقریب	معلوم ہووے گا کہ یہ عالم فسانہ تھا
حال یہ کچھ تو ہے اب دل کی توانائی کا	کہ یہ طاقت نہیں لوں نام شکیبائی کا
اے شب ہجر نہیں ہے یہ سیاہی تیری	خون گردن پہ ترے ہے کسی سودائی کا
نام سنتا نہیں زاہد تری حرمت کا کوئی	شور ایسا ہے جہاں میں مری رسوائی کا

ولہ

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و میخانہ	مثال زندگی بھر آپ اپنا اب ہی پیمانا
کسو سے کیا بیاں کیجے اب اپنے حال ابتر کو	دل اسکے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا
نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجود خلائق ہے	کوئی کعبہ سمجھتا ہے کوئی سمجھے ہے بت خانا

ولہ

اے شمع رو زبسکہ ترا انتظار تھا	میں ایک سا ہی شعلہ صفت بے قرار تھا
ظالم یہ صید دل سر فتراک سے ترے	اس وقت سے بندھا ہے کہ تو نے سوار تھا
مدت کے بعد خط سے یہ ظاہر ہوا کہ عشق	تیری طرف سے حسن کے دل میں غبار تھا

وله

وہ دن کدھر گئے کہ ہمیں بھی فراغ تھا
یعنی کبھو تو اپنے بھی دل کا دماغ تھا

جلتا ہے اب پڑا خس و خاشاک میں ملا
وہ گل کہ ایک عمر چمن کا چراغ تھا

گذروں ہوں جس خرابے پہ کہتے ہیں اُنکے لوگ
ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا

رباعیات

کچھ کشش نے تری اثر نہ کیا
تجھ کو اے انتظار دیکھ لیا
تشنگی اور بھی بھڑکتی گئی
جوں جوں میں آنسوؤں کو اپنے پیا

ایضاً

زلفوں میں کسو کی جو گرفتار نہ ہوتا
کچھ کام مجھے تجھ سے شب تار نہ ہوتا
مرنا ہی لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ایضاً

ایک تو ہوں شکستہ دل تس پہ یہ جور یہ جفا
سختی عشق واہ واجی نہ ہوا ستم ہوا
جان کے بدلے میرے ساتھ وعدۂ اک نگاہ تھا
سو بھی نہ تجھ سے ہو سکا مفت ہی جی لیا

ایضاً

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا
جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا
جوں غنچہ بجز اک دل صد چاک نہ پایا
منہ ڈال کے جب اپنے گریباں میں دیکھا

ایضاً

ناصح میں دین و دل کے تئیں اب تو کھو چکا
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا
زاہد کیا کرے ہے وضو گو کہ روز و شب
چاہیے کہ دل سے دھوئے کدورت سو دھو چکا

ایضاً

مذکور جانے ہے وہ ہم دل طپیدگاں کا
احوال کچھ نہ پوچھو آفت رسیدگاں کا
موج نسیم کو ہے زنجیر بوئے گل کی
دامن نہ چھوڑ بیٹھے پر از خود رمیدگاں کا

افراد

دیکھ کر حال پریشان عاشقان زار کا
یا نکلے معشوقوں نے رسم زلف ابدی ہے اٹھا

محبت نے ہم کو ثمر جو دیا
سو یہ ہے کہ سب کام سے کھو دیا

شکوہ تجھے کس سے ہے گلہ کس سے یہ ٹھانا
مانند فلک اپنی ہی گردش ہے زمانہ

ہم نے چاہا بھی پر اس کوچہ سے آیا نگیا
واں سے جوں نقش قدم دل تو اٹھایا نہ گیا

فلک پر کون کہتا ہے گذر آہ سحر کرنا
جہاں جی چاہے واں پر جا کسی دل میں اثر کرنا

غل مری زنجیر نے رفتار میں ایسا کیا
حشر کو بھی شور جو ہونا نہ تھا برپا کیا

بے یار خلق کرتی ہے اپنے کمال کا
یہ آئینہ ہے جلوہ فروش اس جمال کا

خط کے آنے سے ہوا معلوم جاناں حسن کا
تو خطوں نے اب نکالا بیش جاناں حسن کا

مخالف کب گئے سنتے ہی مجلس میں سخن میرا
زباں کا اب ہوا معلوم جوہر تیغ ہے گویا

بارے مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا
پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا

گلہ کرنا نہیں کچھ تری نامہربانی کا
مجھے شکوہ ہے اے ظالم اس اپنی سخت جانی کا

رسوائیاں اٹھائیں جور و عتاب دیکھا
عاشق تو ہم ہوئے پر کیا کیا عذاب دیکھا

آشیانے میں درد بلبل کے
آتش گل سے آج پھول پڑا

ردیف الباء

تھا عدم میں بھی مجھے اک پیچ و تاب
مضطرب ہو جس طرح موج شراب

بے بضاعت ہیں سب اہل زرق برق
چشمۂ خورشید میں کیدھر ہے آب

موت ہے آسائش افتادگاں
چشم نقش پاء کا مٹ جاتا ہے خواب

کیوں نہ ہو شرمندہ روئے زمین
سیل اشک ایسا نہیں خانہ خراب

ہے نہ تنگ ظرفوں کو یے جام کشی
جام مے کب ہو سکے جام حباب

چل نہ جاویں ہیں جو صاحب حوصلہ
پائے خم لغزش میں کب لاوے شراب

ہستی میں کوئی کبھو دل مردگاں — گور کے لب پر تبسم کیا حباب

مے کشاں کرنے لگے محنت کشی
درد ہوتا ہے دل یاراں کباب

ردیف التاء

وہ مو کمر کہیں تو ہوا بے حجاب رات — تھا مثل زلف دل کو عجب پیچ تاب رات
ہم روبرو دن کو تو کیا منہ دکھا سکیں — جوں شمع چاہتے ہیں کہ ہووے شتاب رات
تیری گلی میں اے بت بے مہرباں کس طرح — لایا تھا پھر مجھے دل خانہ خراب رات
واں تم تو اپنے خوش رہے ہو گئے پہ کیا کہوں — گذرا ہے میرے جی پہ جو کچھ یاں عذاب رات
تو شام سے جو اے مرے خورشید رو گیا — انجم کی طرح آیا نہ آنکھوں میں خواب رات

میرے گناہ آتے ہیں کوئی شمار میں
اے درد میں نے جی میں کیا تھا حساب رات

زاہد اگر نہیں کی تو نے کسو سے بیعت — پیر مغاں کہاں کر دست سبو سے بیعت
زلف بتاں سے کہنا ہے وقت دستگیری — اس سلسلہ میں کی ہے دل نے کسو سے بیعت
گو کھینچ کھینچ چلے جان اپنی شیخ کھو دے — کوئی زندہ دل کرے ہے اس مردہ شو سے بیعت

ردیف الجیم فارسی

آئے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ — اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ
آئینہ کی طرح غافل کھول چھاتی کے کواڑ — دیکھ تو ہے کون یار تیرے کاشانے کے بیچ
سیر باغ و بوستاں تو ہے میسر ہر گھڑی — آئیگا ہے فقیروں کے بھی ویرانے کے بیچ
جو مزے ہیں مرگ میں سو ہم سے پوچھا چاہئے — کون جانے آہ کیا لذت ہے مر جانے کے بیچ
عقدۂ دل کھول مثل قطرہ ناداں کب تلک — جوں گہر غلطاں رہیگا آب و دانے کے بیچ
پیچ و تاب اتنا جو ہے یاں اس دل صد چاک کو — زلف الجھی ہے کسو کی ظاہرا شانے کے بیچ

بخت خواب آلود نے میرے سلایا اسکو درد
ورنہ پھونکا تھا ہی افسوں میں نے افسانے کے بیچ

مذکور جب چلے ہے مرا انجمن کے بیچ
کچھ آپ ہی آپ سوچ وہ رہتا ہے من کے بیچ

اے بےخبر تو آپ سے غافل نہ بیٹھ رہ
جوں شعلہ یاں سفر ہے ہمیشہ وطن کے بیچ

تجھ کو نہیں ہیں دیدۂ بینا وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہے آنکے ہر پیرہن کے بیچ

سودا اگرچہ درد تو خاموش ہے ولے
جوں غنچہ سو زباں ہیں اُس کے دھن کے بیچ

درد جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ
چھپ رہا ہوگا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

ردیف الراء

کیونکر میں خاک ڈالوں سوز دل طپاں پر
مانند شمع میرا کب حکم ہے زباں پر

میں کس طرح بتوں کے لا سامنے جھکاؤں
دل تو دماغ اپنا کھینچے ہے آسماں پر

کب اختیار اپنا جوں گل ہے اس چمن میں
گلچیں سے کیا چلے ہے کیا زور باغباں پر

چاہے ہے کہ بات جی کی منہ پر نہ میرے آئے
اپنے دہن کو لاکر رکھدے مرے دہاں پر

میں جانتا نہیں ہوں بیٹھے بٹھائے یارب
یوں آپڑی کہاں سے آفت یہ میری جاں پر

تار نگہ بہ دل یاں دونوں طرف سے دوڑے
دو نٹ مقابل آویں جس طرح ریسماں پر

اے درد یار جیسا ہووے سو ہے غنیمت
اتنا بھی جی نہ رکھیے ہر وقت امتحاں پر

ساقی ہے چڑھا آج تو یہ رنگ گھٹا پر
شیشہ ہو گرے پھینکئے گر سنگ ہوا پر

ہے اور ہی جلوے کی غرض بوقلمونی
یہ قوس قزح کا نہیں نیرنگ ہوا پر

گھبرا کے دل تنگ جو کوئی سانس نکالے
اک دم میں ہو عرصہ تو ابھی تنگ ہوا پر

جوں کاغذ باد اہل ہوس ہیچ ہیں ہینگے
رہتی ہے سدا انکے تئیں جنگ ہوا پر

مانند جہاں آہ تنک ظرف جہاں کے
یاں کرتے ہیں سر کھینچنے کے ڈھنگ ہوا پر

ہر دم دل بے تاب مرا درد کرے ہے
جوں نغمہ نکل آئے گا آہنگ ہوا پر

اس قدر تھا یا کرم یا ظلم رانی اس قدر
مہربانی اس قدر نامہربانی اس قدر

جان کو آنے دے لب تک نزع میں کب تک رہوں
دشمنی مجھ سے نہ کرائے ناتوانی اس قدر

کیا کہوں دل کا کسو سے قصۂ آوارگی
کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

دردؔ تو کرتا ہے معنی کے تئیں صورت پذیر
دست رس رکھتے تھے کب بہزاد و مانی اس قدر

مشہور خلق میں نہیں اپنے کمال کر
بجتا ہوں مثل آئینہ اور ہی جمال کر

آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھی تر نہیں ہوئیں
ٹک تو ہی اے جبین عرق انفعال کر

حیرت ہے یہ کہ تجھ سے ستمگر کے ہاتھ میں
آنکھوں نے دل کو کیونکہ دیا دیکھ بھال کر

فرد

ہنس قبر پہ میری کھل کھلا کر
یہ پھول چڑھا کبھی تو آکر

ردیف الزاء

کیا ہوا مر گئے آرام ہے دشوار ہنوز
جی میں تڑپے ہے پڑی حسرت دیدار ہنوز

ہر لب زخم نمک سود ہے گو مثل سحر
شکوہ آلودہ نہیں پر لب اظہار ہنوز

کر چکا اپنی ہی عیسےٰ بھی تو پر کیا حاصل
ہیں گے ویسے ہی تری چشم کے بیمار ہنوز

موڑیو منہ نہ ابھی سوزن مژگاں ہم سے
ٹانکے زخموں میں تو ہیں کتنے ہی درکار ہنوز

ہے خیال اس کی ہی زلفوں کا دم آخر بھی
بندھ رہا ہے مری نظروں میں وہی تار ہنوز

اور تو چھوٹ گئے مر کے بھی اے کنج قفس
ایک ہم ہی رہے ہے ہر طرح گرفتار ہنوز

یار جاتا رہا نظروں سے کبھی کا لیکن
دل میں پھرتی ہے مرے دردؔ وہ رفتار ہنوز

لیتا نہیں کبود کی اپنے عناں ہنوز
پھرتا ہے کس تلاش میں یہ آسماں ہنوز

اے بعد مرگ بھی رہی آہ فغاں ہنوز — نکلتی نہیں ہے نالو سے میری زباں ہنوز
موجود پوچھنا نہیں کوئی کسی کے تئیں — توحید تو بھی ہوتی نہیں ہے عیاں ہنوز
سو سو طرح کی ہجر میں ہوتی ہے جانکنی — مرتا نہیں ہوں تو بھی تو میں سخت جاں ہنوز
ہر چند کہنہ سال ہے دنیا تو کس قدر — آتی ہے پر نظر میں سبھوں کی جواں ہنوز

کعبہ میں درد آپ کو لایا ہوں کھینچ کر
دل سے گیا نہیں ہے خیال بتاں ہنوز

رباعی

کوہکن سے نہ بول اے پرویز — اس کے تیشہ کی بھی زبان ہے تیز
ساقی اب سب پکارتے ہیں گے — تیرے ہاتھوں سے یاں بریز بریز

فرد

بر میں مرے وہ سیمبر آیا نہیں ہنوز — مقصود میرے دل کا بر آیا نہیں ہنوز

رباعی

نہ کیا تو نے ایک بار افسوس — حال پہ میرے صد ہزار افسوس
جو کہ ہونا تھا دل پہ ہو گذرا — نہ کرا اے درد بار بار افسوس

ردیف الطاء

کرتا رہا میں دیدۂ گریاں کی احتیاط — پر ہو سکی نہ اشک کے طوفاں کی احتیاط
خار مژہ پڑے ہیں مری خاک میں ملے — اے دشت اپنے کیجیو داماں کی احتیاط
جوش جنوں کے ہاتھ سے فصل بہار میں — گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط
تیرے ہی دیکھنے کے لئے آئینہ کی طرح — کرتا ہوں اپنے دیدۂ گریاں کی احتیاط
دل کے تئیں گرہ سے کبھو کھولئے نہیں — ہے زلف کو بھی اپنے پریشاں کی احتیاط

داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے درد پرورش
ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

ردیف الغین

لایا نہ تھا تو آج تلک ہاتھ سوئے تیغ
وابستہ میرے قتل سے تھی آبروئے تیغ

ناچار مجھ سے اس سے تو قطع کلام ہے
کرتا نہیں وہ بات سوا گفتگوئے تیغ

کیجئے نہ قتل اہل وفا جلتے ہیں یہ سب
بارے کہیں ٹھکانے لگے جستجوئے تیغ

جانباز اور بھی ہیں پرائے ابروان یار
میری طرح نہ ٹھیرے کوئی روبروئے تیغ

پیاسی مرے لہو کی وہ رہتی ہے دمبدم
بر لائیے کبھو تو میاں آرزوئے تیغ

فرد

اے درد ایک خلق ہے جانانہ کی طرف
لازم ہے کیجئے دل دیوانہ کی طرف

ردیف الکاف

پیغام یاس بھیج نہ مجھ بے قرار تک
ہوں نیم جان سو بھی ترے انتظار تک

دیدے شراب ساقی کہ تا روز رستخیز
جس کے نشے کا کام نہ پہنچے خمار تک

صیاد اب رہائی ہے کیا مجھ اسیر کو
پھر کس کو زندگی کی توقع بہار تک

بے قدر میکشی ہوئی عالم میں یاں تئیں
ہے صرف شیشہ شیخ کے سنگ مزار تک

راہِ عدم میں درد میں اتنا ہوں تیز رو
پہنچا صبا کا ہاتھ نہ میرے غبار تک

رباعیات

پھرتا رہا میں سعی میں اک عمر جوں فلک
بخت سیاہ پر نہ پھرے میرے اب تلک
چونکا ہوں درد جیسے اسے دیکھ خواب میں
لگتی نہیں ہے تب سے پلک سے مری پلک

ایضاً

نہیں میرے تئیں کسی کا باک
اب گریباں ہے ہاتھ ہے اور چاک

گرد تو ہو گئے ترے عاشق   کیا ستم ہو زیادہ اس سے خاک

ردیف لام

کچھ دل ہی باغ میں نہیں تنہا شکستہ دل
ہر غنچہ دیکھتا ہوں تو ہیگا شکستہ دل

ہاتھوں سے محتسب کے ہیں اب میکدے کے بیچ
ساغر شکستہ خاطر و مینا شکستہ دل

شادی کی اور غم کی ہے دُنیا میں ایک شکل
گل کو شگفتہ دل کہو یا تم شکستہ دل

یا رب درست گو نہ ہوں تیرے عہد پر
بندہ سے پر نہ ہو کوئی بندہ شکستہ دل

کی جس کی جوں حباب زمانے نے دلدہی
چھوڑا نہ پھر اُسے نہ کیا تا شکستہ دل

لازم ہے گوشۂ شکنِ زلف میں تری
ظالم کوئی پڑا رہے مجھ سا شکستہ دل

سب خونِ دل ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
اے دردؔ بسکہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

بارے یہ داغِ عشق ہوا شہریارِ دل
مدت سے بے چراغ پڑا تھا دیارِ دل

تیری کہیں گلی کے گیا تھا خیال میں
کرتا ہوں اب تلک میں پڑا انتظارِ دل

اٹھتا ہے بعد مرگ بھی مانند گرد باد
اے دردؔ خاک سے مری اب تک غبارِ دل

ردیف المیم

حیران آئینہ وار ہیں ہم
کس سے یارب دوچار ہیں ہم

پانی پر نقش کیا ہے ایسا
جیسے ناپایدار ہیں ہم

ساقی کدھر ہے کشتیِ مے
اب کے کھیوے میں پار ہیں ہم

جی بھی پھنسا کبھو نہ اپنا
اتنے نزار و نزار ہیں ہم

اوروں کے گو ہیں سرمۂ چشم
اپنے دل کے غبار ہیں ہم

کوئی کیونکر نظر میں لاوے
رشکِ چشم شرار ہیں ہم

آتش میں ہیں یہ مثل شعلہ
از سرتا پا بہار ہیں ہم

چشم حیرت سے دیکھ ایدہر
نقش لوحِ مزار ہیں ہم

جدہر گذرے پھرے اُدہر سے
آوازۂ کوہسار ہیں ہم

از بسکہ ہیں محو لاتعین
ہر جا بے اختیار ہیں ہم

مجنوں ہو خواہ کوہکن ہو
عاشق کے دوستدار ہیں ہم

اپنے ملنے سے منع مت کر
اس میں بے اختیار ہیں ہم

یوں تو عاشق بہت ہیں لیکن ق
اس طور کے کتنے یار ہیں ہم

مجنوں ۔ فرہاد ۔ درد و وامق
ایسے یہ دو ہی چار ہیں ہم

اب کی ترے در سے گر گئے ہم
پھر یہ ہی سمجھ کہ مر گئے ہم

جوں نورِ نظر ترا تصور
تھا پیش نظر جدہر گئے ہم

جز اہل صفا بتا تو جوں عکس
اے آئینہ کس کے گھر گئے ہم

کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے
معلوم نہیں کدہر گئے ہم

تھا عالم جبر کیا بتاویں ق
کس طور سے زیست کر گئے ہم

جس طرح ہوا اسی طرح سے
پیمانۂ عمر بھر گئے ہم

افسوس کہ درد اس کو جب تک
ہووے ہے خبر گذر گئے ہم

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم

جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی
ساتھ اپنے دوچار ہو گئے ہم

ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر
اپنے تئیں آپ رو گئے ہم

ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا
پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

یاروں ہی سے درد ہے یہ چرچا
پھر کوئی نہیں ہے جو گئے ہم

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم
بہار باغ تو یوں ہی رہی لیکن کدھر شبنم

عرق کی بوند اس کی زلف سے رخسار پر ٹپکی
تعجب کی ہے جاگہ یہ پڑی خورشید پر شبنم

ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا
ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم

کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف لوگوں کی
ہوئی آتش سے گل کے بیٹھتے رشک شرر شبنم

بھلا ٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیوینگے
کسی عاشق کے سونے سے نہیں رکھتی خبر شبنم

نہیں اسباب کچھ لازم سبکسار دل کے اٹھنے کا
گئی اڑ دیکھتے اپنے بغیر از بال و پر شبنم

نہ پایا جو گیا اس باغ سے ہرگز سراغ اس کا
نہ پلٹی پھر صبا ادھر نہ پھر آئی نظر شبنم

نہ سمجھا درد ہم نے بھید یاں کی شادی و غم کا
سحر خنداں ہے کیوں روتی ہے کس کو یاد کر شبنم

رباعی

کیا کہیں سوے فنا کس طور کر جاتے ہیں ہم
شمع کے مانند سر کے بل ادھر جاتے ہیں ہم
ہے کسے جوں شعلۂ ظالم آہ تاب انتظار
جنبلک دیکھے ادھر تو یاں گذر جاتے ہیں ہم

فرد

خلق میں ہیں پر جدا سب خلق سے رہتے ہیں ہم
تال کی گنتی سے باہر جس طرح رہ بک ہیں ہم

ردیف النون

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاک سار رکھتے ہیں

بسان کاغذ آتش زدہ مرے گل رو
تیرے چلے بھنے اور ہی بہار رکھتے ہیں

یہ کس نے ہم سے کیا وعدۂ ہم آغوشی
کہ مثل بحر سراسر کنار رکھتے ہیں

ہمیشہ فتح نصیبی ہمیں نصیب رہے
جو کچھ کہ اپچی ہے جی میں سوار رکھتے ہیں

بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ
سب اہل قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

جہاں کے باغ سے ہم دل سوا نہ پھل پایا
فقط یہی ثمر داغدار رکھتے ہیں

اگرچہ دختر رز کے ہے محتسب در پے
جو ہو سو ہو پر اسے اب تو یار رکھتے ہیں

برنگ شعلۂ غم عشق ہم سے روشن ہے
کہ بے قراری کو ہم برقرار رکھتے ہیں

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

فلک سمجھ تو سہی ہم سے او گلو گیری
یہ ایک جیب ہے سو تار تار رکھتے ہیں

بتوں کے جبر اٹھائے ہزار بار ہم نے
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

بھری ہے آگ جنہوں میں ہوائے آزادی
حباب وار کلہ بھی اُتار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں نہ شرر ہم نہ شعلہ نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

جنہوں کے دل میں جگہ کی ہے نقش عبرت نے
سدا نظر میں وہ لوح مزار رکھتے ہیں

ہر ایک سنگ میں ہے شوخی بتاں پنہاں
خنک ہیں سب پہ یہ دل میں شرار رکھتے ہیں

وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں رہتا
اگرچہ دردؔ سے ہم ہزار رکھتے ہیں

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے درد آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

ہر شام مثل شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گل تو مرے ساتھ اختلاط
پر آہ میں تو موج نسیم وزیدہ ہوں

یہ چاہتی ہے تو تپش دل کہ بعد مرگ
کنج مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے دردؔ جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

آہ مشتاق ترے مفت موئے جاتے ہیں
اک نظر بھولے سے بھی ہوئے تو جی پاتے ہیں

گو سلامت ہوں میں ظاہر میں پہ دل کے خطرات
رات دن گھن کی طرح میرے تئیں کھاتے ہیں

تو بھی اے پائے طلب ٹک تو بھلا خواب سے چونک
اپنی ہی نوع سے ہیں وہ جو پہنچ جاتے ہیں

ہم سے بیکاروں سے بہتر ہیں یہ اہل اشغال
ہر طرح دل کے تئیں اپنے تو بہلاتے ہیں

دردؔ کی طرح وہ ہو جاتے ہیں کچھ اور کے اور
تیرے از خود شدگاں جبکہ بخود آتے ہیں

گر دیکھئے تو مظہر آثار بقا ہوں
اور سمجھئے جوں عکس مجھی محو فنا ہوں

کرتا ہوں پس از مرگ بھی حل مشکل عالم
بے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں

ممنون مرے فیض کے سب اہل نظر ہیں
جوں نور ہر ایک چشم کا دیدار نما ہوں

ہے آستر فقر اگر سمجھو تو شاہی
سلطان ہے اگر شاہ تو میں ظل ہما ہوں

ہے مظہر انوار صفا میری کدورت
ہر چند کہ آہن ہوں پہ آئینہ بنا ہوں

احوال دو عالم ہے مرے دل پہ ہویدا
سمجھا نہیں تا حال پہ اپنے تئیں کیا ہوں

آواز نہیں قید میں زنجیر کی ہرگز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں

ہوں قافلہ سالار طریق قدما ورد
جوں نقش قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انہیں طرحوں میں ہم ہر دم فنا فی اللہ ہوتے ہیں

نقیبد گاہ امکاں میں ہے وہ کچھ بخشش مطلق
کہ ہو واحد کو لاکھوں وام یاں تنخواہ ہوتے ہیں

غرور حسن کم ہوتا نہیں کچھ خط کے آنے سے
کہ یہ سب مورچہ پے بھی سلیماں جاہ ہوتے ہیں

اگر جمعیت دل ہے تجھے منظور قانع ہو
کہ اہل حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں

پرکھا ور دلچھ مت رکھ ترقی اور تنزل کا
کہ اپنے ذہن میں تو یاں گدا بھی شاہ ہوتے ہیں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں

بیزار ہے مجھ سے تو پہ مجھ کو
اب تک ہے وہی پیار جی میں

گل اب تو ملے ہیں ہنس کے لیکن
بلبل پہ چبھیں گے خار جی میں

یوں پاس بٹھا جیسے تو چاہے
پر جا گہ نہ دیجو یار جی میں

کیا فائدہ درد شور و شر سے
اچھے ہے جو کچھ سو مار جی میں

ہر چند تیری سمت سوا راہ ہی نہیں
تس پر بھی آہ یاں کوئی آگاہ ہی نہیں

وہ مرتبہ ہے اور ہے فہمید کے پرے
ہم جس کو پوجتے ہیں وہ اللہ ہی نہیں

ہم بھی فلک سے کرتے کسی چیز کی طلب
ڈھونڈا پر اپنے دل میں تو کچھ چاہ ہی نہیں

انساں کی ذات سے ہیں خدائی کے کھیل یاں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں

سو رنگ سے ہیں جلوہ نما گو بتانِ خلق
اپنا ترے سوا کوئی دل خواہ ہی نہیں

گر کہتے ہو کہ ہے وہی ہادی وہی مضل
تو راہ پر ہیں سب کوئی گمراہ ہی نہیں

اے درد مثلِ آئینہ ڈھونڈھ کس کو آپ ہیں
بیرونِ در تو اپنی قدم گاہ ہی نہیں!

ہستی ہے جب تلک ہم ہیں اسی اضطراب میں
جوں موج آ پھنسے ہیں عجب پیچ و تاب میں

نے خانۂ خدا ہے نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دلِ خانہ خراب میں

آئینہ عدم ہی میں ہستی ہے جلوہ گر
ہے موجزن تمام یہ دریا حباب میں

غافل جہاں کی دید کو مفت نظر سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہے اس عالم کو خواب میں

ہر جز کو کل کے ساتھ بمعنی ہے اتصال
دریا سے دُر جدا ہے پہ ہے غرق آب میں

پیری نے ملک تن کو اجاڑا وگرنہ یاں
تھا بندوبست اور ہی عہد شباب میں

میں اور درد مجھ سے خریداری بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینہ کے سامنے جب آ کے ہُو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

نہ گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار
کس بات پر چمن ہوس رنگ و بو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر
اے درد آ کے بیعت دست سبو کریں

نہ زلف بتاں کا گرفتار میں ہوں
نہ بیمار چشموں کا بیمار میں ہوں

کدھر بہکی پھرتی ہے اے بیکسی تو
تری جنس کا یاں خریدار میں ہوں
ادھر بات ادھر دیکھ لینا
سمجھتا ہوں سب ایک عیار میں ہوں
اگر مجھ سے ملے کبھو عیب کیا ہے
نہ بد وضع تو ہے نہ بدکار میں ہوں
کسو پہ بلا تیری تیوری چڑھاوے
تری تیغ ابرو کا انکار میں ہوں

سبھی اپنے جینے سے اے درد خوش ہیں
اگر ہوں تو یہ ایک بیزار میں ہوں

ان نے کہا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں
آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جی بتنگ
جیتا رہیگا کب تئیں اے خضر مر کہیں
پھرتے رہے تڑپتے ہی عالم میں جابجا
دیکھا نہ میری آہ نے روئے اثر کہیں
مدت تلک جہان میں ہنستے پھرا کئے
جی میں ہے خوب روئیے اب بیٹھکر کہیں
یوں تو نظر پڑے ہیں تن انگار سینکڑوں
دلریش کوئی آپ سا دیکھا نہ پر کہیں
ظالم جفا جو چاہے سو کر مجھ پہ تو ولے
پچتاوے پھر تو آپ ہی ایسا نہ کر کہیں
پھرتے ہو سج بنانے تو اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
اے خانماں خراب ہے تیرا بھی گھر کہیں

کہنے لگا مکان معین فقیر کو
لازم ہے کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو ہر کہیں
درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست
تو نے سنا نہیں ہے یہ مصرع مگر کہیں

بے زبان بدہ زبان سوسن
اس چمن میں کسے مجال سخن
یاوری دیکھئے نصیبوں کی
دوست بھی ہو گئے مرے دشمن
ساقی اس وقت کو غنیمت جان
پھر نہ میں ہوں نہ تو نہ یہ گلشن
وہ زخود رفتہ ہوں کہ میرے تئیں
نہ خیال سفر نہ یاد وطن
کیا کہوں اپنی میں سیہ بختی
حال تجھ پہ ہوئے کا روشن

قطعہ

بعد مدت کے درد کل مجھ سے
مل گیا راہ میں وہ غنچہ دہن

میری اس کی جو لڑ گئیں آنکھیں
ہو گئے آنکھوں ہی میں دو دو سخن

باغ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں

دریائے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل
گر وار ہیں تو ہم ہیں در پار ہیں تو ہم ہیں

وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر ہے وگر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں

تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موج زن ہے
تسپر بھی تشنہ کام دیدار ہیں تو ہم ہیں

الفاظ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے
معنی کی طرح ربط گفتار ہیں تو ہم ہیں

اوروں سے تو گرانی اک لخت اٹھ گئی تھی
اے درد اپنے دل کے گر بار ہیں تو ہم ہیں

جمع میں افراد عالم ایک ہیں
گل کے سب اوراق برہم ایک ہیں

ہووے کب وحدت میں کثرت سے خلل
جسم دو جاں گر دو ہیں پر ہم ایک ہیں

نوع انساں کی بزرگی سے ٹک ایک
حضرت جبریل محرم ایک ہیں

دال ہے اس پر بھی قرآں کا جو
بات کی فہمید میں ہم ایک ہیں

متفق آپس میں ہیں اہل شہود
درد آنکھیں دیکھ باہم ایک ہیں

نہ ہم کچھ آپ طلب نے تلاش کرتے ہیں
جو کچھ کہ یاں ہے مقدر معاش کرتے ہیں

مثال عکس جو کوئی کہ پاک طینت ہے
جہاں صفا ہے وہیں بود و باش کرتے ہیں

ہماری اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد
جو کچھ ہے دل میں ترے ہم وہ فاش کرتے ہیں

مزاج نازک دل سے اگر مکدر ہو
یہ آئینہ ہم ابھی پاش پاش کرتے ہیں

یہ تیرے شعر ہیں اے درد یا کہ نالے ہیں
جو اس طرح سے دلوں کو خراش کرتے ہیں

کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنے جو کوئی کہ گذر جاتے ہیں

موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

دیدوادید جو ہو جائے غنیمت سمجھو
جوں شرر رو رنہ ہم لے نور نظر جاتے ہیں

آنکھیں اس بزم میں سکیں ہیں جنہوں نے ٹک بھی
شمع کی طرح گریباں لئے تر جاتے ہیں

بے ہنر دشمنی جو اہل ہنر سے آگہ
منہ پہ چڑھتے تو ہیں پر دل سے اتر جاتے ہیں

ہم کسی راہ سے واقف نہیں جوں تار نظر
رہنما تو ہی تو ہوتا ہے جدھر جاتے ہیں

اے رگ ابر یہ مژگاں بھی اگر ٹک برسیں
ایک پل میں کئی تالاب تو بھر جاتے ہیں

آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں

تاقیامت نہیں ٹلنے کا دل عالم سے
درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

اپنی قسمت کے ہاتھوں داغ ہوں میں
نفس عیسوی چراغ ہوں میں

ہوں فتادہ برنگ نقش قدم
رفتگاں کا مگر سراغ ہوں میں

دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر
آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں

میں ہوں گلچین گلستان خلیل
آگ میں ہوں پہ باغ باغ ہوں میں

عین کثرت میں دید وحدت ہے
قید میں درد یا فراغ ہوں میں

مرتا نہیں ہوں کچھ میں اس سخت دل کے ہاتھوں
پیٹتا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں

نالاں نہیں ہے تنہا اس راہ میں جرس تو
روتے گئے ہیں کتنے یک لخت دل کے ہاتھوں

ہمت رفیق ہووے تو فقر سلطنت ہے
آتا ہے ہاتھ یعنی یاں تخت دل کے ہاتھوں

اے غنچہ تجھ سے آگے جو کچھ کہ تھا گرہ میں
گل یاں لٹا گئے ہیں کل رخت دل کے ہاتھوں

اے درد آہ پھر پھر آتا ہی ہے جی میں
پیٹتا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں

جی نہ اٹھوں کہیں پھر میں جو تو مارے دامن
جھاڑ مت خاک پہ میرے یہ غبار دامن

دامن دشت ہے پر لالہ و گل سے یارب
خون عاشق بھی کہیں ہووے بہار دامن

ہم کہ دامن سے لگے ہیں نہ کہیں چھٹ جاویں
ہر گھڑی یہ کھینچ نہ بے رحم کنار دامن

تار باندھا ہے مرے اشک نے یا تنک جوں شمع
ہے وہی تار گریباں وہی تارِ دامن

جب وہ چاہے ہے کہ دامن کو اٹھا کر چلئے
ہنس کے رکھتا مری گردن پہ ہے بارِ دامن

فرش رہ آنکھیں تو کیں میں نے پہ مژگاں
خار پا ہووے کسو کے نہ یہ خارِ دامن

درد تو کون ہے جو گرد جھٹکنے پاوے
دور دامن ہے ترا صدقے نثار دامن

کیوں نہ ڈوبے رہیں یہ دیدۂ تر پانی میں
ہے بنا مثل حباب اپنا تو گھر پانی میں

اشک سے میرے فقط دامن صحرا نہیں تر
کوہ بھی سب ہیں کھڑے تا بہ کمر پانی میں

مردم دیدہ مرے اشک میں یوں رہتے ہیں
کب یہ گزران کرے اور بشر پانی میں

آتش مے سے جو ساقی نے اسے بھڑکایا
زاہد خشک ہوا خوب ہی تر پانی میں

چشمۂ آب نہ ہو چشمۂ خورشید سے کم
شعلہ رو تو کبھو منہ دیکھے اگر پانی میں

جس طرف چاہو چلوں یہ وہ سرابستاں ہے
وہم کہتا ہے کہ اب پاؤں نہ دھر پانی میں

عالم آب میں جوں آئینہ ڈوبا ہی رہا
تو بھی دامن نہ کیا درد نے تر پانی میں

معلوم نہیں آنکھیں یہ کیوں پھوٹ بہی ہیں
رونے کی طرف کس لئے یہ ٹوٹ بہی ہیں

کشتی کی طرح آنکھیں مری اشک میں پارو
جس تار نگہ سے بندھی تھیں چھوٹ بہی ہیں

میں مثل حباب آنکھیں تو رو رو کے بہاؤں
پردہ یہی کہتا ہے سدا جھوٹ بہی ہیں

سرسبز یہ کس جلوہ سے ہوئیں آنکھیں جو اتنا
دریا کی طرح کھیت مرا لوٹ بہی ہیں

اے درد سمجھ نہ ان آنکھوں کا بہنا
چھاتی کی طرح دل کو مرے کوٹ بہی ہیں

گھر تو دونوں پاس ہیں لیکن ملاقاتیں کہاں
آمد و رفت آدمی کی ہے پہ وہ باتیں کہاں

ہم فقیروں کی طرف بھی تو نگاہیں دمبدم
پھیکتے جاتے تھے آپ آگئے وہ خیراتیں کہاں

بعد مرنے کے مرے ہوگی مرے رونے کی قدر
تب کہا کیجے گا لوگوں سے وہ برساتیں کہاں

یوں تو ہے دن رات میرے دل میں اس کا ہی خیال
جن دنوں اپنی بغل میں تھا سو وہ راتیں کہاں

جس طرح سے کھیلتا ہے وہ دلوں کا یاں شکار
درد آتی ہیں کسی دلبر کو وہ گھاتیں کہاں

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ہے یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے ترے سوا تو اگر نہیں تو کہاں نہیں

پڑی جس طرف کو نگاہ یاں نظر آ گیا ہے خدا ہی وہاں
یہ ہیں گو کہ آنکھوں کی پتلیاں مرے دل میں جائے بتاں نہیں

مرے دل کے شیشہ کو بیوفا تو نے ٹکڑے ٹکڑے ہی کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا یہ دکانِ شیشہ گراں نہیں

مجھے رات ساری ہی بے زباں کٹے یوں سحر ہوئے نہ شمع ساں
کہ نہ ہو سکی ہی کچھ اب بیاں وہ یہ بات ہے کہ زباں نہیں

کوئی سمجھے کیونکہ یہ مدعا کہ پہیلی سا ہے یہ ماجرا
کہا میں نہیں تجھے چاہ کیا لگا کہنے مجھ سے کہ ہاں نہیں

نہ ملا ہمیں کوئی نکتہ داں یہ بیت سنا دیں کھلا کہاں
نہ سمجھوں یہ وہی عیاں جو کسی سی بات تو نہاں نہیں

تجھے درد کیونکہ سناؤں میں خدا کسی کو دکھاوے یہ
جو کچھ اپنے جی پہ گذرتی ہے کہوں کیا کہ اسکا بیاں نہیں

دل کو لے جاتی ہیں معشوقوں کی خوش اسلوبیاں
ورنہ ہیں معلوم ہم کو سب اُنہوں کی خوبیاں

صورتوں میں خوب ہونگی شیخ گو حور بہشت
پر کہاں یہ شوخیاں یہ طور یہ محبوبیاں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

آپ تو تھے میں پر اس کا بھی کیا خانہ خراب
درد اپنے ساتھ آنکھیں دل کو بھی لے ڈوبیاں

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلہ کرتا نہیں
دل میں ہے وہ ہی وفا پر جی وفا کرتا نہیں

سعی بیجا مت کرو مہر و وفا وہ شوخ تو
جی کو اِن باتوں سے ہرگز آشنا کرتا نہیں

کونسی شب ہے کہ مثل شمع جب کھلتی ہے آنکھ
جائے اشک آنکھوں سے اپنی خوں گرا کرتا نہیں

عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش ایک
درد مرتا ہے کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن اِدھر اُدھر بھٹکتے ہیں
جہاں جائیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں

بتا دو کون ہے جو تیری مجلس میں نہیں ہوتا
مگر یہ ایک ہم ہی ہیں کہ نظروں میں کھٹکتے ہیں

نہیں معلوم کیا ہوگا یہ دل اُس زلف میں اُلجھا
جہاں اے درد ایسے تو ہزاروں ہی لٹکتے ہیں

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں
اپنی غفلت کے سوا کچھ در و دیوار نہیں
ہم سے دل مردہ اگر رات کو جاگے تو کیا
چشم بیدار تو ہے پر دل بیدار نہیں

دردؔ یاں دو ہی پیالوں پہ قناعت کیجئے
خانۂ چشم ہے یہ خانۂ خمار نہیں

اے ہجر کوئی شب نہیں جس کو سحر نہیں
پر صبح ہوتی آج تو آتی نظر نہیں
دل لے گیا پر ایک نہ کی اس طرف نگاہ
ایسا تو دلبروں میں کوئی مفت بر نہیں

کہہ کونسا ہے دامن صحرا جہان میں
اے دردؔ آنسوؤں سے جو تیرے وہ تر نہیں

مرے ہاتھوں کے ہاتھوں اے عزیزاں
گریباں چاک ہے چاک گریباں
کھلا ہے باب عرفاں جس کے اوپر
اُسے ہے ہر ورق گل کا گلستاں
صبا جاتا ہوں گریاں میں چمن سے
گلوں کو باغ میں رکھیو تو خنداں

ولہ

گرچہ ہم مردہ دل اے جان جہاں جیتے ہیں
تجھ بن اے وائے جو سمجھے تو کہاں جیتے ہیں
زندگی جس سے عبارت ہے سو وہ زیست کہاں
یوں تو کہنے کے تئیں کہنے کہ ہاں جیتے ہیں
بعد مرنے کے بھی وہ بات نہیں آتی نظر
جس توقع پہ کہ ہم اب تئیں یاں جیتے ہیں

ولہ

دل تو سمجھائے سمجھتا بھی نہیں
کہئے سودا ہے تو سودا بھی نہیں
اُس کی باتیں مجھ سے کیا پوچھو ہو تم
مدتیں گذریں کہ دیکھا بھی نہیں
داد کو تو پہونچنا معلوم ہے
کوئی یاں فریاد سنتا بھی نہیں
ہیں تو سب باتیں نصیحت کی کہیں
پر اثر ہوتا ہے دل کے تئیں کہیں
جس کے بن دیکھے نہ نیند آئی ہمیں
خواب میں بھی دیکھتے اُس کو نہیں

مورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے وطن ہر شخص کا زیر زمیں

رباعیات

آگے ہی بن سنے تو کہے ہے تئیں نہیں
تجھ سے ابھی وہ باتیں تو میں نے کہیں نہیں
ہیں معنی بلند مرے عرش سے بڑے
مت کہہ یہ بات درد کہ کرسی نشیں نہیں

ایضاً

دو نگاہیں جو چار ہوتی ہیں
برچھیاں دل کے پار ہوتی ہیں
بدزبانی یہ اُس کے دل مت جا
ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں

ایضاً

اگر میں نکتہ رسی سے زر دہان پاؤں
کمر کو چاہوں تو اُس کے تئیں کہاں پاؤں
یہ رات شمع سے کہتا تھا درد پروانہ
کہ حال دل لکھوں گر جان کی اماں پاؤں

ایضاً

دل میں رہتے ہو پر آنکھوں دیکھنا مقدور نہیں
گھر سے دروازے تلک آؤ تو چنداں دور نہیں
چاہتے وہ تو جہاں جل جاویں اک شعلہ لگتا
درد ایسی سرد آہیں عشق میں منظور نہیں

ایضاً

زلفوں کی تو سدا سے یہ کج ادائیاں ہیں
آنکھوں نے اور ہی یہ آنکھیں دکھائیاں ہیں
ہے اپنے جی میں جو کچھ تم جانو یا نہ جانو
پر سب تمہاری باتیں اب ہم نے پائیاں ہیں

ایضاً

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں
دیکھ میرے ضعف کو کہنے لگا رو کر طبیب
کوئی دم کو یہ بھی اس کی ناتوانی پھر کہاں

ولہ

کب دہن میں ترے سمائے سخن
نہیں تیرے دہن میں جائے سخن
شعر میں میرے دیکھنا مجھ کو
ہے مرا آئینہ صفائے سخن

ولہ

کہیں ہوئے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں
یہ بے سبب نہیں ہم سے حجاب آنکھوں میں
کرے ہے مست نگاہوں میں ایک عالم کو
لئے پھرے ہے یہ ساقی شراب آنکھوں میں

ولہ

ہر دم بتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں
ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

افراد

اس فکر سے بھی مجھ کو کیا کام دل کے ہاتھوں
لیتا نہیں کسو کا میں نام دل کے ہاتھوں

نہیں ہم کو تمنا یہ ملک ہو تا فلک پہونچیں
یہی ہے آرزو دل کی ترے قدموں تلک پہنچیں

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کئے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لئے جاتا ہوں

فسوس اہل دید کو گلشن میں جا نہیں
نرگس کی گو کہ آنکھیں ہیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں رشک بے گناہی ہوں
مورد رحمت الٰہی ہوں

ردیف الواو

مانع نہیں ہم وہ بت خودکام کہیں ہو
پر اس دل بے تاب کو آرام کہیں ہو

خورشید کے مانند پھروں کب تئیں یارب
نت صبح کہیں ہووے مجھے شام کہیں ہو

میخانۂ عالم ہے وہ بے ربط کہ جس میں
ہووے جو صراحی کہیں تو جام کہیں ہو

وعدے تو مرے ساتھ کئے تو نے ہزاروں
پر ایک بھی اُنوں میں سرانجام کہیں ہو

ہر چند نہیں صبر تجھے درد ولیکن
اتنا بھی نہ ملیو کہ وہ بدنام کہیں ہو

کیا فرق داغ و گل میں جس گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے جس دل میں تو نہ ہو

ہووے نہ حول و قوت اگر تیرے درمیان
جو ہم سے ہو سکے ہے سو تم سے کبھو نہ ہو

جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا ملی مگر
یہ آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو

جوں شمع جمع ہوویں گر اہل زباں ہزار
آپس میں چاہئے کہ کبھی گفتگو نہ ہو

جوں صبح چاک سینہ مرا اے رفوگراں
یاں تو کسو کے ہاتھ کبھی ہرگز رفو نہ ہو

اے درد زنگ صورت اگر سینہ میں جا کرے
اہل صفا میں آئینۂ دل کو رو نہ ہو

سمجھنا فہم گر کچھ ہے طبیعی سے الٰہی کو
شہادت غیب کے خاطر تو حاضر ہے گواہی کو

نہیں ممکن کہ ہم سے ظلمت امکان زائل ہو
چھڑاوے آہ کوئی کیونکہ زنگی سے سیاہی کو

عجب عالم ہے ایدھر سے ہمیں مستی ستاتی ہے
ادھر سے نیستی آتی ہے دوڑی عذرخواہی کو

نہ رہ جائے کہیں تو زاہدا محروم رحمت سے
گنہگاروں میں سمجھا اگر اپنی بے گناہی کو

نہ لازم نیستی اُس کو نہ ہستی ہی ضروری ہے
بیاں کیا کیجئے اے درد ممکن کی تباہی کو

مجلس میں بار ہووے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو

جاتی تو ہے تو زلف کے کوچہ کو اے صبا
پر دیکھیو نہ چھیڑے کسی بے دماغ کو

بس بارِ دل زیادہ نہ ہو حسرتِ چمن
کیدھر لئے پھرونگا میں گلگشت باغ کو

بلبل کی طرح رشتہ الفت میں دیکھ دل
بندھوا نہ دیجیو کہیں بال فراغ کو

کیا چھپ رہی ہے پردہ مینا میں دخت رز
روشن کر اپنے جلوے سے چشم ایاغ کو

تمیز بے تمیزئے عالم کرے ہے کب
نالے سے عندلیب کے یاں بانگ زاغ کو

اے درد رفتہ کیا آپ کو بھی گم
اس راہ میں چلا تھا میں کس کے سراغ کو

مست ہوں پیر مغاں کیا مجھ کو فرماتا ہے تو
پائے بوس خم کروں یا دست بوسی سبو

صبح اور خورشید کے مانند میری جیب کو
چاک کا موجب ہے تو ہی تو ہی اسباب رفو

مال دنیا اس کو ہے ہر طرح جوں قبلہ نما
پھرنے مجھے ہر پھر کے آرہنا اسی کے روبرو

اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی
خاک ہونے نے کیا ہر ذرہ گرم جستجو

تیری خوں آشامیاں مشہور ہیں اے تیغ ناز
ایک قطرہ چھوڑے تو پیوے ہمارا ہی لہو

جس طرح سے صبح کو ہوتا ہے بے رونق چراغ
دیکھ تجھکو ہو گیا گلشن میں گل کا رنگ و بو

اور ہوں آمادہ میخوار کے یہ مے پرست
سر اگر کاٹے انھوں کا محتسب مثل کدو

بات اہل دید سے کرتے ہیں یا روشن ضمیر
رنت زبان شمع کو بھی چشم سے ہے گفتگو

صورت تقلید میں کب معنی تحقیق ہیں
رنگ گو ہے پر گل تصویر میں کیدھر ہے بو

سینکڑوں ہی تخم سے اس باغ میں نکلے نہال
تخم دل کی بر نہ آئی درد لیکن آرزو

ملاؤں کس کی آنکھوں سے کہو اس چشم حیراں کو | عیاں جب ہر جگہ دیکھوں کسی کے راز پنہاں کو
تجھے اے شمع کیا دیکھوں زمانہ تو دکھاتا ہے | ہمیں جوں کاغذ آتش زدہ اور ہی چراغاں کو
نہ تنہا کچھ یہی اطفال دشمن ہیں دوانوں کے | بھرے ہے کوہ بھی دیکھا تو یاں پتھروں سے دامانوں کو
چمکتے ہیں ستاروں کی طرح سوراخ سینے کے | چھپایا گو کہ جوں خورشید میں داغ نمایاں کو
نہ واجب ہی کہا جاوے نہ صادق ممتنع اس کو | کیا تشخیص کچھ ہم نے نہ ہرگز شخص امکاں کو
نہ مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی کو | الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضئے الٰہی ہو
نگینے کے سوا کوئی بھی ایسا کام کرتا ہے | کہ ہو نام اور کا روشن اور اپنی روسیاہی ہو
نہیں شکوہ مجھے کچھ بے وفائی کا تری ہرگز | گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

رباعیات

اے درد یاں کسو سے نہ دل کو پھنسائیو | لگ چلنے سب سے یوں تو یہ جی مت ستائیو
ہیں دل کے ساتھ کب تئیں کشتی لڑا کروں | اب اختیار ہاتھ سے جاتا ہے آئیو

ولہ
اپنے بندہ پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو | یہ نہ آجائے کہیں جی ہیں کہ آزاد کرو
نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص ہووے | دوستاں درد کو مجلس میں نہ تم یاد کرو

ولہ
کہتا تلک اشتیاق تو رفتار یار کو | آنکھوں میں کب تلک میں رکھوں انتظار کو
ویسا ہی اب تلک ہے وہ دامن تو اے صبا | کیدھر لئے پھرے ہے تو میرے غبار کو

ولہ
سر رشتۂ نگاہ تغافل نہ توڑیو | اے ناز ہیں طرف سے منہ اس کا نہ موڑیو
جاوے قفس سے یہ بے بال و پر کہاں | صیاد ذبح کیجیو پر اس کو نہ چھوڑیو

ولہ
دے لے جو کچھ کہ شیشے میں باقی شراب ہو | ساقی ہے تنگ عرصۂ فرصت شتاب ہو
کہتا ہے آئینہ کہ نہیں ہے بعید اگر | دوراں کے ہاتھ سے دل آہن بھی آب ہو

ولہ
کبھو ہم نے نہ پایا مہرباں اے تند خو تجھ کو | نہ دیکھا آنکھ بھر کے ایک دم خورشید رو تجھکو
تمنائیں مبدل حسرتوں سے ہو گئیں دل میں | رہی تو بھی نہ ملنے کی ہماری آرزو تجھ کو

ولہ
دل نالاں کو یاد کرکے صبا | اتنا کہنا جہاں وہ قاتل ہو
نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ | اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

فرد

میں نہیں کہتا کہیں تم اور مت جایا کرو
بندہ پرور اس طرف کو بھی کبھی آیا کرو

ردیف الہا

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں سے ستمدیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

ہم گلشن دوراں میں اے خفتگی طالع
سر سبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ

اے شور قیامت رہ ادہر ہی میں کہتا ہوں
چونکے نہ ابھی یاں سے کوئی دل شوریدہ

اوروں سے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں
ادہر کو نظر کوئی پھینکی بھی تو دزدیدہ

مجھ پہ بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا بارے
زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ

بدخواہ سبھی عالم گو ہووے تو جو لیکن
یارب یہ کسی کے ہوں دشمن یہ دل و دیدہ

کرتا ہے جگہ دل میں جوں ابروِ پیوستہ
اے درد یہ تیرا ہے ہر مصرعہ پیچیدہ

رکھتی ہے مرے غنچۂ دل میں وطن گرہ
تجھ سے نہ کھل سکے گی صبا یہ کٹھن گرہ

چشم کشادہ کار کسو سے نہیں مجھے
رکھتا ہوں میں بسانِ گہر جملہ تن گرہ

پہنچے گر اس طرف کو تری زلف کی شمیم
نافے ہی میں ہو نکہت مشکِ ختن گرہ

اپنی اگر گرفتہ دلی ذکر کیجیے
ہو سبحہ وار خاطر اک انجمن گرہ

ہرچند سعی میں ہی رہا ناخن ہلال
کھلتی ہے پر سپہر کی کوئی کہن گرہ

جب چاہئے کہ عقدۂ دل تجھ پہ کھولیے
ہوتا ہے آ زباں پہ میری سخن گرہ

تنگی سے تن کے جامہ کی ہوتا ہے دل خفا
ہے جوں حباب جان پہ یہ پیرہن گرہ

ہرچند کھولی تو نے پہ پتھر کے جی سے گانٹھ
شیریں کے دل سے پر نہ کھلی کوہکن گرہ

کیونکر بکارِ عشق گرہ در گرہ نہ ہو
یاں دل گرہ کی شکل ہے اور واں دہن گرہ

جیتا کسی کو چھوڑے نہ یہ گانٹھ زہر کی
زلف سیہ وہ سانپ ہے جس کا ہے من گرہ

واشد کبھو تو درد کے بھی ساتھ چاہئے
بند قبا سے کھول ٹک اے گلبدن گرہ

ربط ہے نازِ بتاں کو تو مری جان کیساتھ
جی ہے وابستہ مرا اُن کی ہر اک آن کیساتھ

اپنے ہاتھوں کے بھی میں نور کا دیوانہ ہوں
رات دن کشتی ہی ہتی ہے گریبان کیساتھ

جو جفا جو ہیں اُنہیں سنگدلی لازم ہے
کام تلوار کو رہتا ہے سدا سان کیساتھ

گر مسیحا نفسی ہے یہی اے مطرب نوخیز
جی ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر اک تان کیساتھ

وردؔ ہرچند میں ظاہر میں تو ہوں مورِ ضعیف
تور نسبت ہے دلا مجھ کو سلیمان کے ساتھ

کاش تا شمع نہ ہوتا گزر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا بال و پر پروانہ

شمع کے صدقے تو ہوتے ابھی دیکھا تھا اسے
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثر پروانہ

گر ترا حسن برشتہ نظر آ جائے اسے
نت رہے آگ میں سوز جگر پروانہ

کیوں اُسے آتش سوزاں میں لئے جاتی ہے
سوجھتا بھی ہے تجھے کچھ نظر پروانہ

ایک ہی جست میں لی منزل مقصود اس نے
رہرو زنک کی جا ہے سفر پروانہ

شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے وردؔ میں کس سے خبر پروانہ

دل پہ بے اختیار ہو کر آہ
تو ہی کب تلک نہ اٹھے کراہ

خوش خرامی ادھر بھی کیجئے گا
میں بھی جوں نقش پا ہوں چشم براہ

کیا کہوں تجھ سے ہمنشیں دل میں
برچھی سی لگتی ہے وہ ترچھی نگاہ

جو ہوئے ہیں قرار آپس میں
ہیں ترا اور تو ہے میرا گواہ

جسپہ تقصیروار تو سمجھو
ابھی ایسا تو کچھ نہیں ہے گناہ

ہنسنے اور بولنے کی بائیں کرو
نام اُس کا نہ لو کہاں ہے چاہ

دید وادید رکھے جائے گا
جب تلک ہو ملاپ خاطر خواہ

بُت پرستی نہیں شعار اپنا
ہم کو ایسا نہ سمجھیو واللہ

شوخ تو اور بھی ہیں دنیا میں
یہ تیری شوخی کچھ عجب ہے واہ

ہر گھڑی کان میں وہ کہنا ہے
کوئی اس بات سے نہ ہو آگاہ

درد اپنی طرف سے حاضر ہے
آگے پھر ہے تمہارے ہاتھ نباہ

جوں جرس دل کے ساتھ میرے آہ
قصّہ زلفِ یار کیا کہئے

نہیں نالے سوا کوئی ہمراہ
ہے دراز اور عمر ہے کوتاہ

درد درویش ہوں مری تعظیم
خلق کرتی ہے کہہ کے یا اللہ

دل سوا کس کو ہو اس زلف گرہ گیر میں راہ
ہے دوانوں کی طرح خانۂ زنجیر میں راہ

ہم سے بے جانوں سے شرمندہ دمِ عیسیٰ ہے
ہو صبا کے تئیں کب غنچۂ تصویر میں راہ

نالۂ دل میں لئے تجھ کو پھرا شہر بشہر
آہ پر تو نے نہ کی ٹک دلِ تاثیر میں راہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

آہن ہو یا ہو سنگ ہے سب جلوہ گاہِ یار
جوں آئینہ ہر ایک گذر ہیں صفا کو دیکھ

ردیف الیا

اُس کی بہار حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
فصلِ بہار جس کی ہاں ایک یہ گلفروش ہے

بخت سیہ برنگ شب نت ہی گلیم پوش ہے
شمع بھی اپنے ہاں اگر ہے تو سدا خموش ہے

خلوتِ دل میں کر دیا اپنے حواس میں خلل
حسن بلائے چشم ہے نغمہ وبالِ گوش ہے

ہووے تو درمیان سے آپ اپنے تئیں اٹھائیے
یار نہیں ہے اور کچھ سر ہی وبالِ دوش ہے

نالہ و آہ کیجئے خونِ جگر ہی پیجئے
عہدِ شباب کہتے ہیں موسم ناؤ نوش ہے

خبر تجھے جو چاہئے بدرقۂ جنون نہ چھوڑ
ہم سے جہان کی سیر کی رہزنِ خلق ہوش ہے

سے خبروں کو پھر کہیں دستِ قضا نہ چھیڑ تو
منزلِ وہل ہر ایک ہیں ورنہ بھرا خروش ہے

خیر بلال زاہدا کیا ہے طریق زہد میں
دل ہو شگفتہ جس جگہ کوچہ میفروش ہے

اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
درد اگر لباس ہے دیدہ عیب پوش ہے

آفت جان و دل تو یاں وہ بت خود فروش ہے
پہلے ہی جسکے کشمکش صبر و قرار و ہوش ہے

دل کو سیاہ مست کر گر تجھے کچھ بھی ہوش ہے
کہتے ہیں کعبہ اس کو اور کعبہ سیاہ پوش ہے

کس کی یہ ہوتی ہے صبا گفت و شنید باغ میں
غنچہ سبھی دہاں ہیں گل بھی تمام گوش ہے

آتش گل جنوں مرا گرم کرے سو یہ نہیں
سینہ ہمیشہ آگ ہے دل میں سدا ہی جوش ہے

حادثہ زمانہ کیا تیری جفا سو کیا بھلا
ہم کو سپہر مت ڈرا نیش بھی یاں تو نوش ہے

ہم نے تو ایک معصیت چاہی چھپے نہ چھپ سکی
اپنے گناہ کو ترا عفو ہی پردہ پوش ہے

آہ کہیں یہ ناتواں حال کرے سو کیا بیاں
منہ پہ ہے مہر خامشی دل میں بھرا خروش ہے

دور نہیں ہوا ابھیں رنج شعور ساقیا
اک دو سہ جام اور بھی باقی ابھی تو ہوش ہے

محنت و رنج و غم سے یاں درد نہ جی چھپائیے
بار سبھی اٹھائیے جب تئیں سر ہی دوش ہے

اس کو سکھلائی یہ جفا تو نے
کیا کیا اے مری وفا تو نے

بیکسی کو کیا عبث بیکس
قتل کر مجھ کو کیا کیا تو نے

حال سن سن مرا لگا کہنے
میں سنا کچھ نہ کیا کہا تو نے

ہم نہ کہتے تھے ہو تو مت عاشق
پائی دل اپنی کچھ سزا تو نے

جی تو جی سے ترے رہا ہے مل
منہ لیا موڑ کیا ہوا تو نے

درد کوئی بلا ہے شوخ مزاج
اس کو چھیڑا برا کیا تو نے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے
سو گیا تھا جگا دیا کس نے

میں کہاں اور خیال بوسہ کہاں
منہ سے منہ یوں بھڑا دیا کس نے

وہ مرے چاہنے کو کیا جانے
یہ سندیسا سنا دیا کس نے

ہم بھی کچھ دیکھتے سمجھتے تھے
سب یکایک چھپا دیا کس نے

درد بلائے سے بھاگتا تھا اور
درد تجھ تک بلا دیا کس نے

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی
خطرہ جو ہے سو آئینہ دل پہ زنگ ہے

حیرت زدہ نہیں ہے فقط تو ہی آئینہ
یاں تک بھی جس کی آنکھ کھلی ہے سو دنگ ہے

اس ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشئہ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

گلگیر منہ پسار نہ تو شمع کی طرف
اس کی زبان ہی اسے کام نہنگ ہے

کب ہے دماغ عشق بتان فرنگ کا
مجھ کو تو اپنی ہستی ہی قید فرنگ ہے

عالم سے اختیار کی ہرچند صلح کل
پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

میں کیا کہوں تجھے نظر آیا نہیں ہے کیا
اس گلشن جہان کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہے

غنچہ شگفتہ ہووے ہی ہووے کہ اس میں درد
دیکھا چمن میں جاکے تو کچھ اور رنگ ہے

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھائے
پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دئے

ہوں کشتہ تغافل ہستی بے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اس نے بھلا دئے

روتی ہیں چشم اب تئیں یہ تیری دادخواہ
کتنے ہی تیغ ابرو نے قصے چکا دئے

عنقا کی طرح جتنے تھے یاں نامور فلک
تو نے خدا ہی جانے کہ کیدھر اڑا دئے

پگھلا دل اثر نہ مرے حال پر کبھی
ہرچند روتے روتے میں نالے بہا دئے

یارب یہ کیا خرام ہے جس نے اک آن میں
کتنے ہی مردے حشر سے آگے جلا دئے

عالم میں جتنے پاک گہر تھے سو ایک ایک
ادنیٰ سے روزگار نے یوں ہی گھلا دئے

صیاد کہتے ہیں کہ گرفتاریاں گئی
صدقے کر اپنے آج کسی نے چھڑا دئے

ابرو مژہ یہ چشم تو کیا ہے یہ گھر کے گھر
تو نے برس برس کے ہزاروں بہا دئے

دونوں جہان کی نہ رہی پھر خبر اسے
دو پیالہ تیری آنکھوں نے جسکو پلا دئے

اے شور حشر گردش دوراں نے اہل قبر
ٹک بھی نہ سونے پائے کہ وو ہیں جگا دئے

چاہو وفا کرو نہ کرو اختیار ہے
خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اٹھا دئے

سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام
اے درد کچھ بہا دئے اور کچھ جلا دئے

گر باغ میں خنداں وہ مرا لب شکر آوے
گل سامنے داماں سے منہ ڈھانپ کر آوے

قاصد سے کہو پھر خبر اُدھر ہی کو لیجاوے
یاں بیخبری آگئی جب تک خبر آوے

لوٹے ہے ترے گنج شہیداں کو غرض بھی
جی دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے

زاہد کو جتا دیجئے بیخود ہیں یہ رنداں
آتا ہے تو خودداری کو گھر میں ہی دھر آوے

کہتے ہیں کہ یکدست تری تیغ چلی ہے
تب جانئے کہ جب اک دو قدم چل ادھر آوے

جوں خواب ہے وابستہ بغفلت یہ تماشہ
کھل جائے اگر آنکھ تو پھر کیا نظر آوے

اے صبح رواں تیری مدد ہووے تو شاید
اس سحر میں ہم سے بھی کوئی شعر تر آوے

مطلق بھی نہیں درد اضافت سے مبرّا
عہدے سے تقید کے کوئی کیونکہ بر آوے

اذیت کوئی تیرے غم کی میرے جی سے جاتی ہے
کبھو تک دل کیا خالی تو پھر چھاتی بھر آتی ہے

سناؤں کیونکہ اپنا حال میں کیا سخت مشکل ہے
یہ قصہ جب لگوں کہنے تو اس کو نیند آتی ہے

نہیں مشتاق آئینہ کے جو وہ صاف طینت ہیں
صفا تو عارضی ہے اور کدورت اُسکی ذاتی ہے

قیامت سرزمین دل پہ میرے حشر برپا ہے
ہوس ہر دم تمنائیں تو یہ کچھ اٹھاتی ہے

اگر آئینہ در چار آئینہ ٹھہرے نہو ستمکھ
سپر ہوں تیر مژگاں کا سو یہ میری ہی چھاتی ہے

بریکھانت بھی رہتا ہے مجھ کو درد کیا کہئے
کہ ایسی زندگی سی چیز یوں ہی مفت جاتی ہے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے
مشکل ہے جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے

نشو و نما کی کس کو امید اے بہاریاں
ہیں خشک شاخ ہوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

تحریک ہے یہ اس ید قدرت کی ورنہ کب
بے دست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے

مثل حباب جب کہ نظر سے گیا گیا
میں وہ غریق ہوں کہ نہ ڈوبا اچھل سکے

گرنے نہ دیویں خلق کی نظروں سے دل کو ہم
کوئی اگر کسو کے سنبھالے سنبھل سکے

روشن ضمیر جلتے ہیں عالم میں جوں نجوم
چرخ آبسا سے اپنے یہ دانے دل سکے

کرتے عبث ہو شیشہ گراں سنگ کو گداز
پگھلائیے جو تم سے کوئی دل پگھل سکے

کہہ اور بھی غزل کوئی پر اس ردیف میں
اے دردؔ قافیہ کو اگر تو بدل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

میں وہ فتادہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقش قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

گو بحث کر کے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

اطفائے نار عشق نہ ہو آب اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مست شراب عشق وہ بیخود ہے جس کو حشر
اے دردؔ چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

قسم ہے حضرت دل ہی کے آشیانے کی
ہوس ہو جی میں جو دیر و حرم کے جانے کی

طریق اپنے پہ اک دور جام چلتا ہے
وگرنہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی

کیا جگر کو مرے داغ تیرے وعدوں نے
خبر سنی جو کہیں میں کسو کے آنے کی

نظر نہ کیجیو تو میرے دل کے خطروں پر
نہ جی میں لائیو کچھ بات کیا دو آنے کی

جفا و جور اٹھانے پڑے زمانے کے
ہوس تھی جی میں کسو ناز کے اٹھانے کی

طریق ذکر تو ہے دردؔ یاد عالم کو
طرح بتائیے کچھ اپنے تئیں بھلانے کی

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے
جز وصل سو ملنے کی کوئی آس نہیں ہے

وہ اشک نکلتا ہے مری چشم سے جس کا
ہر قطرہ کم از پارہ الماس نہیں ہے

زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے

گذرا ہے بتا کون صبا آج ادھر سے
گلشن میں پڑی پھولوں کی یہ باس نہیں ہے

بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے درد
ہر دم دمِ عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

یاں عیش کے پردے میں چھپی دل شکنی ہے
دل ٹکڑے کیا ہے یہ تنزاکس کے لبوں نے
کیا کام مجھے خوف و رجا سے کہ مرے پاس
تن پروریِ خلق مبارک ہو انہیں یاں
آگے جو بلا آئی تھی سو دل پہ ٹلی تھی

ہر بزمِ طرب چوں مژہ برہم زدنی ہے
جو لخت ہے سو رشکِ عقیقِ یمنی ہے
ہے جان سو بیجان ہے دل ہے سو غنی ہے
جوں نقشِ قدم اور ہی آسودہ تنی ہے
اب کے تو مری جان ہی پر آن بنی ہے

اے درد کہوں کس سے بنا رازِ محبت
عالم میں سخن چینی ہے یا طعنہ زنی ہے

آتشِ عشق جی جلاتی ہے
تو ہے اور سیرِ باغ ہے ہر وقت
شام بھی ہو چکی کہیں اب تو
کچھ مناسب نہیں ہے کیا کہئے
ٹک خبر لے کہ ہر گھڑی ہم کو

یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے
داغ ہیں اور میری چھاتی ہے
آشتابی کہ رات جاتی ہے
جی میں جو کچھ کہ اپنے آتی ہے
اب جدائی بہت ستاتی ہے

درد اس کی بھی دید کر لیجئے
نوجوانی یہ مفت جاتی ہے

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
دل بھی تیرا ہی ڈھنگ سیکھا ہے
بے خبر تیغِ یار کہتی ہے
ان دنوں کچھ عجب ہے میرا حال
اور بھی چاہئے سو کہئے اگر

تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
باقی اس نیم جان میں کچھ ہے
دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے
دلِ نا مہربان میں کچھ ہے

درد تو جو کرے ہے جی کا زیان
فائدہ اس زیان میں کچھ ہے

آرام سے کبھو بھی نہ یک بار سو گئے
ایسے ہمارے طالع بیدار سو گئے

خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے

اٹھتی نہیں ہے خانۂ زنجیر سے صدا
دیکھو تو کیا سبھی یہ گرفتار سو گئے

تیری گلی ہے یا کوئی آرام گاہ ہے
رکھتے قدم کے پاؤں تو ہر بار سو گئے

وہ مر چکے جو رونق بزم جہان تھے
اب اٹھئے درد یاں سے کہ سب یار سو گئے

آج نالوں نے مرے زور ہی دلسوزی کی
زخم دل جتنے تھے یاں سب کی جگردوزی کی

جی پہ رہتی ہے چڑھی زلف کسو کی میرے
اور تو کیا لکھوں میں اپنی سیہ روزی کی

غیر بکتے ہیں عبث میرے پیارے تیری
بیوفائی نہیں محتاج بد آموزی کی

کیونکہ تشبیہ ترے ساتھ اسے دے کوئی
شمع کو آتی نہیں طرح دل افروزی کی

شعر کی فکر بن آتی ہے اسی سے جس کو
درد کی طرح کبھو فکر نہ ہو روزی کی

جوں سخن اب یاد اک عالم رہے
زندگانی تو چلی جا ہم رہے

تا ابد جوں قطرہ مجھ سا منفعل
جس جگہ سجدہ کرے دو دم رہے

بہ چلا آنکھوں سے دل ہو کر گداز
منہ پر آ کر جم رہے تو جم رہے

رک نہیں سکتی ہے پانی کی وارادت
کب یہ ہو سکتا ہے دریا تھم رہے

ہے زمانہ وہ کہ مثل آسماں
جس کے آگے اہل رفعت خم رہے

ہم ہی اس وحشت سرائے نہیں اُداس
اور بھی جو آئے سو یاں کم رہے

ہے محال عقل زیر آسماں
حرص ہو جس دل میں وہ خرم رہے

کب تک آتش کیا کرے یوں تھپتھے
چیونٹیوں کے گھر سدا ماتم رہے

رکھ نفخت فیہ من روحی کو یاد
جب تلک اے درد دم میں دم رہے

بلبل نہ بر آئے باغباں سے
گل کا بھی نہ کچھ چلے خزاں سے

لیتے ہیں مژہ سے کام ابرو — یہ تیر ملے نہ گو کماں سے
جوں غنچہ وبال دل ہے غافل — ہر خندہ کہ نکلے ہے دہاں سے
مانند صبا تری گلی میں — جو کوئی گیا پھرا نہ واں سے
ہے سیف زباں تری یہ مست — کہ ساغر چشم دل ستاں سے
دو بین وہ ہوا قلم کے مانند — جو حرف نکل گیا زباں سے
تیغوں کے لئے فلک پھری ہے — کھینچے ہوئے تیغ کہکشاں سے
ہر آن ہیں واردات دل پر — آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے
بدنام کرے ہے دختر رز — مئے اُس کو نکال اپنے یاں سے

ہے مثل چراغ درد میرا
دشمن دم عیسوی بھی جاں سے

نہ ہاتھ اٹھائے فلک گو ہمارے جینے سے — کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے
نہیں خیال مجھے خاتم سلیماں کا — برنگ نام ہوں برکندہ دل نگینے سے
بسان دانۂ انگور مے پرستوں نے — لیا ہے فیض مرے دل کے آبگینے سے
ترقی اور تنزل کو یاں کے کچھ عرصہ — مثال ماہ زیادہ نہیں مہینے سے
مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جاوے — کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے
مآل کار سمجھایا قبور نے ہم کو — یہ نقد مال لگا ہاتھ اس دفینے سے

بسا ہے کون ترے دل میں گلبدن اے درد
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

جی کی جی میں رہی بات نہ ہونے پائی — حیف ہے اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی
دید وا دید ہوئی دور سے میرے اس کی — پھر جو میں چاہا تھا سو بات نہ ہونے پائی
کون وہ بے سر و ساماں ہے کہ یارب اشک — جس کی خاطر کہیں برسات نہ ہونے پائی
اٹھ چلے شیخ جی تم مجلس رنداں سے شتاب — ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی
جی میں منظور تھی جو آپ کی خدمتگاری — سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

جی فنا ہو ہی گیا اک نگہ گرم کے ساتھ
درد کچھ اور عنایات نہ ہونے پائی

فرصت زندگی بہت کم ہے — مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
گو سراپا ہے آب آئینہ — اپنی آنکھوں میں چشم بے نم ہے
دل صد چاک ہے گل خنداں — شادی و غم جہاں میں توام ہے
دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے — دونوں عالم کا ایک عالم ہے
خیر و شر کو سمجھ کہ ہیں دو زہر — سانپ کی زیست ہے تجھے سم ہے
مست عبادت پہ بھولیو زاہد — سب طفیل گناہ آدم ہے
سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف — جس کے ہاتھ آوے جام سو جم ہے
اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن — جو شجر ہے سو نخل ماتم ہے
نہ ملیں گے اگر کہے گا تو — تیری خاطر ہمیں مقدم ہے
دل عاشق کی بے قراری کو — وہ ہی سمجھے گا جو کہ محرم ہے

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہ ہی رونا ہے نت وہی غم ہے

دل مرا باغ دلکشا ہے مجھے — دیدہ جام جہاں نما ہے مجھے
چشم نقش قدم ہوں میں بیکس — خاک آنکھوں میں طوطیا ہے مجھے
مجھ سے ہرچند تو مکدر ہے — تجھ سے پر اور ہی صفا ہے مجھے
کہیں خاموش ہو کہ مثل شمع — اے زباں تجھ سے ہی گلہ ہے مجھے
پاؤں لڑتے ہے مست کے مانند — شیشۂ مے بھرا ملا ہے مجھے
درد تیرے بھلے کو کہتا ہوں — ق — یہ نصیحت سے مدعا ہے مجھے

ورنہ ان بے مروتوں کے لئے
اور بھی ہو خراب کیا ہے مجھے

یارو مرا شکوہ ہی بھلا کیجئے اس سے — مذکور کسی طرح تو جا کیجئے اس سے

جوں جوں وہ کہے ہے تو یہی آتی ہے جی ہے — پھر چھیڑئے اور باتیں سنا کیجئے اس سے
سو مرتبہ یوں ٹھیر چکی اُس سے نہ ملئے — وہ دن بھی تو نہیں ملتی ہے کیا کیجئے اس سے
بیزار اگر مجھ سے ہو مختار ہو بہتر — دل جس سے ملے اپنا ملا کیجئے اس سے

ہم کہتے نہ تھے درد میاں چھوڑ یہ باتیں
پائی نہ سزا اور وفا کیجئے اس سے

سرسبز تھا نیستاں میرے ہی اشک غم سے — تھے سینکڑوں ہی نالے وابستہ ایک دم سے
واقف نہ یاں کسو سے ہم ہیں نہ کوئی ہم سے — یعنی کہ آ گئے ہیں بہکے ہوئے عدم سے
ہیں گو نہیں ازل سے پر تا ابد ہوں باقی — میرا حدوث آخر جا ہی کھڑا قدم سے
گر چاہیئے تو ملئے اور چاہیئے نہ ملئے — سب تم سے ہو سکے ہے ممکن نہیں تو ہم سے
مشتاق گر ترا کچھ لکھے تو کیا عجب ہے — ہوں مثل نرگس آنکھیں پیدا ابھی قلم سے
ہر چند یہ تمنا درخور نہیں ہمارے — نزدیک تو جو آوے کیا دور ہے کرم سے
اب ہیں کہاں وہ نالے سرگشتگی کدھر ہے — تھیں سب وہ باتیں ثابت میرے ہی دم قدم سے
ہے اک نگاہ کافی گو ہووے گاہ گاہے — چنداں نہیں ہے مطلب عاشق کو بیش و کم سے
کاہے کو ہوتی ہم کو گردش نصیب طالع — گر پاؤں اپنا باہر رکھتے نہ ہم عدم سے
آتے ہیں دام میں کب خورشید رو کسو کے — اے شیخ یہ نہیں ہیں تسبیح کے سے شمسے

ہے درد پر بھی کچھ تو میری ہی سی مصیبت
گھیرے ہے اور ہی غم چھوٹے جو ایک غم سے

میرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے — زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے
خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا — میں بے صبر اتنا ہوں وہ تندخو ہے
تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا — تری آرزو ہے اگر آرزو ہے
کیا سیر سب ہم نے گلزار دنیا — گل دوستی میں عجب رنگ و بو ہے
غنیمت ہے یہ دید وا دید یاراں — جہاں مند گئی آنکھ میں ہوں نہ تو ہے
نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر — جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہے

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے — اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں ہوں آشیاں — گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے

رہتی ہے کوئی بن کئے میرے تئیں تمام — جوں شمع چھوڑتی نہیں یہ زباں مجھے

پتھر تلے کا ہاتھ ہے غفلت کے ہاتھ دل — سنگ گراں ہوا ہے یہ خواب گراں مجھے

کچھ اور کنج غم کے سوا سوجھتا نہیں — آتا ہے یاد جبکہ وہ کنج دہاں مجھے

جاتا ہوں خوش دماغ جو سُن کر اُسے کبھو — بدلے ہے وو ہیں نظریں وہ دیکھا جہاں مجھے

جاتا ہوں بسکہ دمبدم اب خاک میں ملا
ہے خضر راہ درد یہ ریگ رواں مجھے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے — جوں صدا نکلا ہی جا ہے خانہ زنجیر سے

قدر مردوں کی سمجھنے کے نہیں یہ مایہ دار — جوہری واقف نہ ہووے جوہر شمشیر سے

دیکھنا تو آگے از خود رفتگاں کا حال ٹک — جا بجا سب پشت بر دیوار ہیں تصویر سے

منعم ایسے قصر لاکھوں مل گئے ہیں خاک میں — جز خرابی کے بتا کیا فائدہ تعمیر سے

ورد اب ہنستے ہیں رونے پر مرے سب خاص و عام
کیا ہوئے وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ہم چشمی ہے وحشت کو مری چشم شرر سے — آتی ہے نظر پھر وہیں غائب ہو نظر سے

اے ہموطناں ایک یہ غیرت زدہ ہرگز — پھرنے کا نہیں عمر کے مانند سفر سے

کیوں تیغ تیری دشمنی کرتی ہے مرے ساتھ — مجھ کو تو نہیں کام کسو کی بھی کمر سے

جاؤں میں کدھر جوں گل بازی مجھے گردوں — جانے نہیں دیتا ہے اِدھر سے نہ اُدھر سے

کعبہ بھی بھلا شیخ ترے ساتھ چلیں گے — ایدھر کو پھرینگے ہم اگر یار کے گھر سے

اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا رُکے ہے — اے کاش یہ ابر مژہ دل کھول کے برسے

کھلتی ہے مری آنکھ جو احوال پہ اپنے — جوں شمع گھٹا جاتا ہوں میں اپنی نظر سے

اے سنگ جو کچھ تو نے کیا شیشہ کے حق میں — کرتا ہے کوئی بھی یہ سلوک اپنے جگر سے

گر خاک مری سرمہ انصار نہ ہووے — تو کوئی نظر قابل دیدار نہ ہووے

سر رشتہ الفت ہے بڑا شیخ و برہمن
یہ رشتہ بہر سبحہ و زنار نہ ہووے

گر قید ہی قسمت میں ہے کچھ اور ہو یارب
پر دل کسو دل سے تو گرفتار نہ ہووے

پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

دل دے کے ستمگار سے اظہار محبت
ایسا کہیں پھر دیکھو تو زنہار نہ ہووے

گر زندگی اس طور سے اے درد جہاں میں
خاطر پہ کسو شخص کے تو بار نہ ہووے

دیا ہے کس کی نظر نے یہ اعتبار مجھے
کہ ایک دم بھی نہیں اپنے پاس یار مجھے

سوائے تیرے کسو سے نہیں ہیں واشدیاں
مثال آئینہ اے چشم انتظار مجھے

ہمیشہ اپنی نظر میں سبک میں رہتا ہوں
دیا ہے اوروں کی نظروں نے گو وقار مجھے

کبھو ہی جی میں نہ گذرا خیال سربالی
برنگ سایہ بنایا ہے خاکسار مجھے

تمہارے وعدے بتاں خوب میں سمجھتا ہوں
رہا ہے ایسے ہی لوگوں سے کاروبار مجھے

یہ کون برق تجلی ہوا ہے آفت جاں
کہ ایک دم نہیں جوں شعلہ اب قرار مجھے

جفا و جور تو ظالم سبھی گوارا ہیں
مگر یہ رسم جدائی ہے ناگوار مجھے

یہ آپ ہی آپ کدھر تیوریاں بدلتے ہو؟
دکھائیے تو سہی منہ بھی ایک بار مجھے

اس امر میں بھی یہ بے اختیار ہے بندہ
ملا ہے درد اگر یاں کچھ اختیار مجھے

غرض کیا کہ اے ہوس اک دو قدم ہی باغ ہے
آپ کہیں نہ جائیے ملتا نہیں سراغ ہے

دیکھئے جس کو یاں اسے اور ہی کچھ دماغ ہے
ایک شب چراغ بھی گو ہر شب چراغ ہے

غیر سے کیا معاملہ آپ ہی ہیں اپنے دام میں
قید خودی نہ ہو اگر پھر تو عجب فراغ ہے

حال مرا نہ پوچھئے جو کہوں ہیں سو کیا کہوں
دل سے سو ریش ریش ہے دل سو داغ داغ ہے

کھو نہ سکے کبھو خمار میرے نشے کی آبرو
دیدۂ آئینہ کی طرح تجھ سے بھرا ایاغ ہے

سنتے ہیں یوں کہ آہ تو ہم سے ہی چھپ رہا کہیں
اپنی تلاش سے غرض ہم کو ترا سراغ ہے

غفلت دل سہی مگر ہے یہ گوش خلق درد
بلبل داستاں ترا اور نہ ہر ایک زاغ سے سنے

اپنے تئیں تو ہر گھڑی غم ہی الم ہے داغ ہے
یاد کرے ہمیں کبھی کب یہ تجھے دماغ ہے

جی کی خوشی نہیں کرو سبزۂ گل کے ہاتھ کچھ
دل ہو شگفتہ جسجگہ وہی چمن ہے باغ ہے

کس کی یہ چشم مست نے بزم کو یوں چھکا دیا
مثل حباب سرنگوں خرم سے ہر ایاغ ہے

جلتے ہی جلتے صبح تک گذری اسے تمام شب
دل ہے کہ شعلہ ہی کوئی شمع ہے یا چراغ ہے

پائیے کس جگہ پتا اے بت بے وفا تجھے
عمر گذشتہ کی طرح گم ہی سدا سراغ ہے

سیر بہار و باغ سے ہمکو معاف کیجئے
اُس کے خیال زلف سے درد کسے فراغ ہے

لخلخہ ملحظہ یاں بنا داغ پر اور داغ ہے
تو بھی ادہر نگاہ کر ساخت مینا بلغ ہے

تیری نگاہ مست نے سب سے یہ کی ہے میکشی
خون سے اپنے مثل گل ہم نے بھرا ایاغ ہے

دولت فقر کے حضور گرد ہی جاہ سلطنت
کہتے ہیں جس کو یاں ہما اپنی نظر میں زاغ ہے

اُس کے خیال زلف نے سب سے ہمیں چھڑا دیا
گرچہ پھنسے ہیں دام میں دل کے تئیں فراغ ہے

ہم نے کہا بہت اُسے بر نہ ہوا یہ آدمی
زاہد خشک بھی کوئی سخت ہی خر دماغ ہے

اہل نظر کو رہنا درد نہیں ضرور کچھ
مثل شرر وہی ہے چشم اور وہی چراغ ہے

پھنسئے کسی کی زلف میں کب ہمیں یہ دماغ ہے
لیجئے بو نسیم سے سو بھی کہاں دماغ ہے

شعلۂ دل کو ہر گھڑی لے دم یاس مست بجھا
اپنی بساط میں یہاں ایک یہی چراغ ہے

ہوئے رقیب روسیہ آپ کے ساتھ جابجا
کچھ بھی ہے ربط سمجھئے ہمرہ کبک زاغ ہے

قصد ہی جسطرح بنے ہو پہنچے آپ تک کہیں
دن بھی یہی ہے جستجو رات بھی سراغ ہے

درد وہ گلبدن مگر تجھ کو نظر پڑا کہیں
آج تو اس قدر بتا کس لئے باغ باغ ہے

پہلو میں دل طپاں نہیں ہے
ہر چند کہ یاں ہے یاں نہیں ہے

عالم ہو قدیم خواہ حادث
جس دم نہیں ہم جہاں نہیں ہے

ر ڈھونڈھے ہے تجھے تمام عالم
ہر چند کہ تو کہاں نہیں ہے

عنقا کی طرح میں کیا بتاؤں
جوں شمع نہ راز دل کہوں گا
وعدے پہ ہو کیونکہ یاں تسلی
جز نام مرا نشاں نہیں ہے
ایسی بھی مری زباں نہیں ہے
ہرگز یہ مجھے گماں نہیں ہے

فریاد کر درد جب تلک میں
تیار ہوں کارواں نہیں ہے

عشق ہر چند مری جان کو آکھاتا ہے
آہ کب تک میں بچوں تیری بلا سنتی ہے
ہمنشیں پوچھ نہ اُس شوخ کی خوبی مجھ سے
بات کچھ دل کی ہمارے تو نہ سلجھی ہم سے
جی کڑا کر کے ترے کوچہ سے جب جاتا ہوں
راہ بیندی کبھو اس شوخ کے تئیں ہم سے بھی
پر یہ لذت تو وہ ہے جی ہی جسے پاتا ہے
باتیں لوگوں کی جو کچھ دل مجھے سنواتا ہے
کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا ہے
آپ ہی خوش ہوا پھر آپ ہی گھبراتا ہے
دل دشمن یہ مجھے گھیر کے پھر لاتا ہے
دیدوا دید تو ہوتی ہے جو مل جاتا ہے

درد کی قدر مرے یار سمجھنا واللہ
ایسا آزاد ترے دام میں یوں آتا ہے

یہ تحقیق ہے یا کہ افواہ ہے
اگر بے حجابانہ وہ بت ملے
عدم رفتگاں کو جو کہنا ہے کچھ
نہ یاں علم و دانش نہ فضل و ہنر
گئے نالۂ و آہ سب ہمنفس
خدا اُس کو رکھے سلامت رہے
کہ دل کے تئیں دل سے یاں راہ ہے
غرض پھر تو اللہ ہی اللہ ہے
تو قاصد ہمارا سر راہ ہے
فقط ایک دل ہے کہ آگاہ ہے
دم سرد ہی اک ہوا خواہ ہے
خبر گیر دل گاہ بے گاہ ہے

یہ کیا درد تجھ پر مصیبت پڑی
کہ دن رات نالہ ہے اور آہ ہے

دشنام دے ہے غیر کو تو جان کر مجھے
کل کی طرح سے آج بھی اب نیند آچکی
پیارے یہ لطف کیجئے پہچان کر مجھے
گھیرا اُسی خرابی نے پھر آن کر مجھے

آنا بہ بندہ خانہ اگر تجھ کو عار ہے
دولت سرا میں اپنے ہی مہمان کر مجھے

ہوں روبروئے چشم تو میں سرمۂ گلو
پر کہیو زلف سے نہ پریشان کر مجھے

صدقے میں تیرے کب تئیں تڑپا کروں عبث
ہے روز عید آج تو قربان کر مجھے

ہیں شعر فہم جتنے زمانے میں لاعلاج
اے درد مانتے ہیں یہ سب آن کر مجھے

ہاں غیب کے جلوہ تئیں یہ جلوہ گری ہے
جو شخص کہ گذرے ہے نظر سے نظری ہے

گر ناز کے عشق تجھے رنگ دکھاوے
ہر سنگ میں شیشہ بھرا شیشہ میں پری ہے

جوں شیشۂ ساعت ہیں تنک ظرف جہاں کے
واں دل میں کدورت ہے تو یاں یاد بھری ہے

سو طرح سے دیتے ہیں اُسے پیچ ہنرمند
مجھ سے نہیں ملتا یہ مری بے ہنری ہے

دل تنگ ہے یہ غنچۂ دل مُنہ نہ کھلانا
جوں نکہت گل اس میں تری پردہ دری ہے

ہے جوں مہ و خورشید زر و سیم سے پُر وہ
تو بھی تو حریصوں کے تئیں دربدری ہے

لیتا ہے خبر وہ تو سبھی خلق کی لیکن
اپنے تئیں اے درد بہت بیخبری ہے

مجھ کو تجھ سے جو کچھ محبت ہے
یہ محبت نہیں ہے آفت ہے

لوگ کہتے ہیں عاشقی جس کو
میں جو دیکھا بڑی مصیبت ہے

بندہ احکام عقل میں رہنا
یہ بھی اک نوع کی حماقت ہے

ایک ایمان ہے بساط اپنی
نہ عبادت نہ کچھ ریاضت ہے

آ پھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں
درد یہ بھی خدا کی قدرت ہے

گل اگر سمجھو بعضے بھید کچھ کہہ کر گئے
بلبلو کتنے ہی غنچے راز دل کہہ کر گئے

چند مدت اب تم اے یاران آئندہ رہو
پیش ازیں یک چند اس بستی میں ہم رہ کر گئے

آنسوؤں میں کچھ جگر کے بھی ہیں ٹکڑے بعض بعض
یہ نہیں معلوم لخت دل کدھر بہ کر گئے

یہ نہ سمجھے اور ہی شاطر نے شہ دی تھی انہیں
زعم میں اپنے سلاطیں آپ گوشہ کر گئے

کشتگان عشق کو ملیو خدا سے خوب درد
سخت صدمے یہ بتوں کے ہاتھوں یاں سہہ کر گئے

شخص وعکس اس آئینہ میں جلوہ فرما ہو گئے — اس نے دیکھا آپکو ہم اس میں پیدا ہو گئے
آئے تھے اس مجمعے میں قصد کر کے دور سے — ہم تماشے کے لئے آپ ہی تماشا ہو گئے
شیخ صاحب کچھ نہ پوچھو خلق ہے وہ پر فساد — جس میں یاں اصلاح سے بھی فتنے برپا ہو گئے
آہ وہ وہ شخص جو دیتے تھے خبریں غیب کی — ڈھونڈتے پھرتے ہیں انکو لوگ وہ کیا ہو گئے

دل ہی کچھ تنہا خفا ہو کر نہ یاں سے پھر گیا
ہم بھی تو اے درد چلنے کو مہیا ہو گئے

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے — جس لئے آئے تھے سو ہم کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا — ایک دم آئے ادھر اودھر چلے
دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس — تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے
آہ بس جی مت جلا تب جانئے — جب کوئی افسوں ترا اس پر چلے
ایک میں دلریش ہوں ویسا ہی دوست — زخم کتنوں کے سنا ہے بھر چلے
شمع کے مانند ہم اس بزم میں — چشم نم آئے تھے دامن تر چلے
ڈھونڈتے ہیں آپ سے اس کو پرے — شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے
ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے — وہ ہی آڑے آ گیا جیدھر چلے
ہم جہاں میں آئے تھے تنہا ولے — ساتھ اپنے اب اسے لیکر چلے
جوں سرائے ہستی بے بودیاں — بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے
ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

بات جب آندان پڑتی ہے — تب کہیں تیرے کان پڑتی ہے

آتش عشق قہر آفت ہے
اک تجلی سی آن پڑتی ہے

آخر الامر آہ کیا ہوگا
کچھ تمہارے بھی دھیان پڑتی ہے

بات چڑھتی ہے دل پہ جو آخر
خلق کے پھر زبان پڑتی ہے

میرے احوال پر نہ ہنس اتنا
یوں بھی اے مہربان پڑتی ہے

شعر ہے اور درد ہے یعنی
بات میں اور ہی جان پڑتی ہے

اک آن سنبھلتے نہیں اب میرے سنبھالے
بے طرح کچھ ان آنسوؤں نے پاؤں نکالے

جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا دیکھیں گے ناچار
صدقے ترے اک بار تو منہ اپنا دکھاوے

ایسے سے کوئی اپنے تئیں کیونکہ بچاوے
دل زلفوں سے بچ جائے تو آنکھوں سے چھپالے

وہ سرخ لباس اس کے گلے میں نظر آیا
جس کے ہیں مرے دل میں پڑے اب تئیں چھالے

کب تجھ پہ گذرتا ہے کبھی میرا سا احوال
یوں چاہے سو تو اور بھی کچھ باتیں بنا لے

کیا جانیئے کس دل کے تئیں آہ ڈسینگے
زلفوں نے تو بے طرح یہ اب چھوڑے ہیں کالے

پھر آگئے قیامت ہے اگر اب بھی نہ آؤ
مر مٹ کے جدائی کے دن اتنے ہیں نکالے

ابرو نے تری جس طرف اب تیغ نکالی
مژگاں نے وہیں کر دئے تب سامنے بھالے

وعدے کی تو مدت نہ کہی درد کچھ اس تے
اس غم کو بھلا کہئے کوئی کب تئیں ٹالے

غیر جو بے فائدہ ہاتھوں پہ گل کھایا کئے
ہم بھی ناحق داغ اپنے دل کے دکھلایا کئے

دل کی دل جانے مجھے شکوہ تو ملنے کا نہیں
گاہ گاہے پاس میرے آپ تو آیا کئے

دن تمہارے تو کٹے بارے خوشی سے ہر طرح
ہم بلا سے یاں پڑے راتوں کو گھبرایا کئے

دل برا ہوتا ہے کوئی تجھسے پر یوں ہے عبث
ہم سدا غیروں سے ملنا سن کے گھبرایا کئے

چین تو ہم کو نہ آیا ایک ساعت اس بغیر
رات دن ہر چند اپنے دل کو بہلایا کئے

دیکھنے پاتا نہیں ہے کوئی جس کی چھاؤں ہاں
لے چلی ہے آج ہم کو وہ پری سایا کئے

اپنے دروازہ تلک بھی وہ نہ آیا ایک بار
ہر گھڑی اٹھ اٹھ کے ہم جس کیلئے جایا کئے

یا تو وہ راتیں تھیں یا یہ کچھ دنوں کا پھیر ہے
ہاتھ اب لگتے نہیں تب پاؤں وہ لوایا کئے

تب ہمارے اسکے اب تک یوں نہی تھی فرویاں
بات ایسی ویسی ہم خاطر میں کم لایا کئے

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے
بس اب اک ساتھ ہم دو سے تو اچھا ہاتھ دھو بیٹھے

بساط اپنی ہیں تھے ہم آپ سو اب تو نہیں ملتے
نہ تھا کچھ اور اپنے پاس جو رکھتے تھے کھو بیٹھے

نہ پوچھو کچھ ہمارے ہجر کی اور وصل کی باتیں
چلے تھے ڈہونڈنے جس کو سو وہ ہے آپ کھو بیٹھے

وفا کی چھینٹ بھی تجھ پر پڑی ہرگز نہ اے ظالم
لگا تھا خون دشمن سے سو وہ بھی آپ دھو بیٹھے

نہ اٹھو درد اپنے بستر سے طمع کر ہرگز
جو کچھ یوں غیب سے آدے سو تم البتہ لو بیٹھے

جو یاں کچھ چاہنے والے قریب بکد گر بیٹھے
ہم اپنا دل بغل میں دلبر لے کر آہ کر بیٹھے

نہ پوچھو عشق کی سوزش نے عالم میں کیا کیا کیا
عجب طوفان اٹھائے یہ کہ جس سے گھر کے گھر بیٹھے

محبت نے تمہاری دل میں بھی اتنا تو سر کھینچا
قسم کھانے لگے تب ہاتھ میرے سر پہ دھر بیٹھے

کوئی دن اور بھی ہم پھر لے گردش دوراں
نہیں اٹھنے کے پھر ہرگز کہیں ایکے اگر بیٹھے

نہ آنا تھا بھرا جی ہیں سو اب تو کچھ کرو خالی
کہ دن جتنے تھے وعدوں نے نہ ملنے سی ہی بھر بیٹھے

پر یکھا کس لئے اتنا کوئی جانے جو کچھ جانے
سدا رہتے ہیں یوں تو لوگ یاں ادہر اودہر بیٹھے

کوئی بیٹھا اس کنے باں جا سکے ہی اسطرح چلدے
چلے تھے ہر گھڑی اٹھ اٹھکے ہم اے درد پر بیٹھے

کبھو تو بیوفائی یاد آ جی کو ڈراتی ہے
کبھو امید وعدوں کی بھروسے یاں دلاتی ہے

چھلاوا سا جو ہو جاتا ہے جلوہ وصل کا گاہے
جدائی پھر تو اک مدت عوض کیا کیا دکھاتی ہے

کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا
محبت کیا کھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

اگر رستم ہو تو بھی کب یہ صدمہ تھم سکے اس سے
تپش دل کی سنبھالوں یوں تو یہ میری ہی چھاتی ہے

پھرے ہے اسطرح جو آج تو اے درد بیخود سا
بتا ہم کو بھی ٹک بارے وہ کیا آفت کہ آتی ہے

ہر گھڑی ڈھانپنا چھپانا ہے
الغرض تو بتو دکھانا ہے

وصل سے بھی تو سیری ہوتی ہے — کہیں اس بات کا ٹھکانا ہے
دل لگاؤ کہ یا گلے ہی لگو — داؤ یے لگئے جو لگانا ہے
ترچھی نظروں سے دیکھنا ہر دم — یہ بھی اک بانکپن کا بانا ہے
یہی اپنی بھی گون کی باتیں ہیں — آہی جانا جدھر کو آنا ہے
واہ ری یہ زبان کی تیزی — ہر طرح کچھ نہ کچھ سنانا ہے

دیکھیو کیجیو نہ بیدردی
دردؔ کو بھی تو منہ دکھانا ہے

دل تجھے کیوں ہے بیکلی ایسی — کون دیکھی ہے اچپلی ایسی
سب بُرا کہتے ہیں تو کہنے دو — بات لائے ہو تم بھلی ایسی
وہ ملے گا تو ہم بھی ملتے ہیں — آپ لگ چلیئے کیا چلی ایسی
خون ہوتا ہے دل کا یاں آؤ — مہندی پاؤں میں کیا ملی ایسی
اُسکے گھر میں کدھر سے پہونچے جا — دل بتاوے کوئی گلی ایسی
مسکرایا خوشی سے وہ جس طرح — باغ میں کب کھلی کلی ایسی

دردؔ گھبرا کے تو جو یوں چونکا
کیا اٹھی جی میں کھلبلی ایسی

کیف وکم کو دیکھ اُسے بے کیف وکم کہنے لگے — جب حدوث اپنا کھلا راز قدم کہنے لگے
غیر کچھ کچھ کان میں بھی دمبدم کہنے لگے — بات تم اب اپنے دل کی ہم سے کم کہنے لگے
واہ وا قسمت کی مہجوری کو دیکھا چاہئے — وہ ہوا بے پردہ تب ہم اس کو ہم کہنے لگے
غافلو تم بات اپنی بھی سمجھتے ہی نہیں — ہے کسی کا وہ دہن جس کو عدم کہنے لگے

بُت پرستی کفر یاں دل کی گرفتاری ہے دردؔ
جا ہیئے جس کو لگے اس کو صنم کہنے لگے

دشوار ہوئی ظالم تجھ کو بھی نیند آنی — لیکن سنی نہ تو نے ٹک بھی مری کہانی
منظور زندگی سے تیرا ہی دیکھنا تھا — ملتا نہیں جو تو تو ہے پھر کیا ہے زندگانی

محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے
مرنے سے آگے کیا ہے مرجائینگے تو مرجائیں

ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی
بہتر نہ ملئے ہم سے گر یوں ہی جی میں ٹھانی

میرے غبار کا کچھ پایا نشاں نہ ہرگز
صحرا میں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی

جب کہا میں کہ ٹک خبر لینا
ایک دم میں تو جی ہی جاتا ہے
تب لگا کہنے سچ یوں ہی ہوگا
میرے دل کی جو پوچھئے یہ ہے

دل پہ آفت نذان ہے پیارے
زیست اب کوئی آن ہے پیارے
کیا پر اس کا بیان ہے پیارے
جان تو اپنی جان ہے پیارے

مجھ سے مرجائیں گے تو مرجائیں
جان ہے تو جہان ہے پیارے

تیری گلی میں میں نہ چلوں اور صبا چلے
کسکی یہ موجِ حسن ہوئی جلوہ گر کہ یوں
ہم بھی جرس کی طرح تو اس قافلہ کے ساتھ

یوں ہی خدا جو چاہے تو بندہ کی کیا چلے
دریا میں جو حباب تھے آنکھیں چھپا چلے
نالے جو کچھ بساط میں تھے سو سنا چلے

کہ بیٹھیو نہ درد کہ اہل وفا ہوں میں
اس بیوفا کے آگے جو ذکر وفا چلے

جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے
زلف کی کج ادائیاں دیکھو
آج ہے آہ کی ہوا کچھ اور

زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہے
ہر گھڑی منہ سے جا لپٹتی ہے
دیکھئے کس طرف پلٹتی ہے

جو خرابی کہ درد میں پھیلی
دست قدرت سے کب سنبھلتی ہے

گر نام عاشقی ترے نزدیک ننگ ہے
اس خانماں خراب کو لے جاؤں میں کہاں
تیری درشتیوں کو سمجھتا ہوں آشتی

کریئے نہ مجھ کو یار تو پھر کیا درنگ ہے
دل پر تو یہ فضائے بیاباں بھی تنگ ہے
تجھ کو یہ میرے ساتھ عبث عزم جنگ ہے

کرتا ہے اس قدر تو خفا درد کو عبث
ظالم وہ اپنی جان سے آپ ہی تو تنگ ہے

آہستہ گذر ہو تو صبا کوئے یار سے
پیچش نہ کیجیو مری مشت غبار سے
اُس سنگدل کی وعدہ خلافی کو دیکھئے
پتھرا گئی ہیں آنکھیں مری انتظار سے
سینے کو چاک صبح کے مانند گر کروں
جوں آفتاب نکلے مرا دل کنار سے

اے درد غیر کا نہیں شکوہ مرے تئیں
جو کچھ گلہ ہے مجھ کو سو ہے اپنے یار سے

دیکھ لو نگاہیں اُسے دیکھئے مرتے مرتے
یا نکل جائیگا جی نالے ہی کرتے کرتے
لاگلابی دے مجھے ساقی کہ یاں مجلس ہے
خالی ہو جائے ہے پیمانے کے بھرتے بھرتے
جو گیا کوچے میں اُس کے نہ پھرا ایدہر کو
اے صبا جاتی تو ہے جائیو ڈرتے ڈرتے

درد جوں نقش قدم تھا سر راہ پر اُس کے
مٹ گیا اوروں ہی کے پاؤں کے دھرتے دھرتے

آیا ہے ابر زور چمن میں بہار ہے
ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ہے
ظالم! سمجھ کے اپنے نظر پھیکیو کہیں
گذرا جدھر یہ تیر تو پھر وار پار ہے
روتا نہیں ہے شاہد مینا یہ بے سبب
گردن پہ اُس کی خون کسی کا سوار ہے

ناداں نظر سے اپنی گرا دے نہ درد کو
جو کچھ کہ ہے سو ہے یہ ترا دوستدار ہے

مدت ہوئی کہ ویسی عنایات رہ گئی
اب گاہ گاہ سیدھی ہی ملاقات رہ گئی
یاں کون آشنا ہے ترا کس کو تجھسے ربط
کہنے کو یہ بھی لوگوں کے اک بات رہ گئی
بازی تو دی تھی اُس نے مری چشم تر کے ساتھ
آخر کو ہار ہار کے برسات رہ گئی

وہ دخت رز کہ چھلتی پھرے ہے جہان کو
کہتے ہیں درد پاس بھی اک رات رہ گئی

گرچہ بیزار بھی ہے پر اُسے کچھ پیار بھی ہے
ساتھ انکار کے پردے میں کچھ اقرار بھی ہے

زاہدا شرک خفی کی بھی خبر ٹک لینا
ساتھ ہر دانۂ تسبیح کے زنّار بھی ہے

چشم رحمت سے ادہر کو بھی نظر کیجئے گا
اسی امید پہ آیا یہ گنہگار بھی ہے

دل بھلا ایسے کو اے **درد** نہ دیجے کیونکر
ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے

جب نظر سے بہار گذرے ہے
جی پہ رفتار بار گذرے ہے

دو زمانے سے باہر اور مجھے
رات دن انتظار گذرے ہے

جس کے تو ہو کے سامنے گذرا
آپ سے بار بار گذرے ہے

نالۂ زار **درد** کا ہر اک
چھوٹتے دل کے پار گذرے ہے

تو چونکتا عبث ہے کسی بات کے لئے
میں آگیا ہوں صرف ملاقات کے لئے

یوں ہی تمام جھگڑے ہی رگڑے ہیں ہو گئی
ہر دن خراب پھرتے تھے جس رات کیلئے

اگلے معانقہ کو اگر کیجئے معاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کیلئے

ہم جانتے ہیں **درد** اندھیرے ہیں رات کو
تو لگ رہا ہے کوچہ میں جس گھات کے لئے

غمناکی بیہودہ رونے کو ڈبوتی ہے
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں موتی ہے

دم لینے کی فرصت یاں ٹک دی نہ زمانہ نے
ہم تجھ کو دکھا دیتے کچھ آہ بھی ہوتی ہے

خورشید قیامت کا سر پر تو اب آ پہونچا
غفلت کو جگا دینا کس نیند یہ سوتی ہے

خورشید نہ تنہا ہے گردش میں زمانے کی
یاں اپنے دنوں کنئیں شبنم بھی تو روتی ہے

جو ملنا ہے مل پھر کہاں زندگانی
کہاں میں کہاں تو کہاں نوجوانی

عجب خواب درپیش ہے پھر تو سب کو
سنا لو ٹک اب اپنی اپنی کہانی

دلا سیاتو دیجو تو ٹک جا کے اس کو
تڑپتی ہے بے شک مری جانفشانی

ستاوے گا جب تک مرے جی میں جی ہے
ترا غم ہے پیارے مرا یار جانی

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول
جس دل پہ بیوفائی معشوق کے سبب
دل دے چکا ہوں اُس بُت کافر کے ہاتھ میں
آنکھوں کی راہ ہر دم اب خونِ دل رواں ہے
غنچہ ہے دل گرفتہ گل کا ہے چاک سینہ
آہوں کی کشمکش میں کہیں دیکھیو نہ ٹوٹے

دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے
یہ کچھ گذر چکا ہو وہ پھر چاہ کیا کرے
اب میرے حق میں دیکھئے اللہ کیا کرے
جو کچھ ہے میرے دل میں منہ پر مرے عیاں ہے
گلشن میں ہے تو یہ کچھ آسودگی کہاں ہے
تارِ نفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے

گمنام اب جہاں میں مجھ سا نہیں ہے کوئی
عنقا کا نام تو ہے ہرچند بے نشاں ہے

دل تڑپتا ہے درد پہلو ہے
غم سے پہچانتا نہیں ہوں میں
منع صہبا نہ کر مجھے اے شیخ

مرگ آ پہونچیو کہ قابو ہے
کہ مرا سر ہے یا کہ زانو ہے
مے پرستوں کے حق میں دارو ہے

جلوہ گر ہے تجھی میں اے ذرے
جس کے خاطر تجھے تگاپو ہے

ہستی ہے سفر عدم وطن ہے
ہرچند کہ سنگ دل ہے شیریں
دیکھا تو یہ شورش من و ما

دل خلوت و چشم انجمن ہے
لیکن فرہاد کوہ کن ہے
ہنگامۂ وصل جان و تن ہے

مت جا تر و تازگی پہ اُس کی
عالم تو خیال کا چمن ہے

نہ وہ نالوں کی سوزش ہے نہ آہوں کی ہے وہ دھونی
جدا کر دیکھ نامہ کو حقیقت گر نہیں پڑھنا
طپش کو دل کی میں سمجھا تھا یہ آنسو بجھا دینگے

ہوا کیا درد کو پیارے گلی کیوں آج ہے سونی
محبت کے شراروں نے یہ چھاتی جسطرح بھونی
ولے یہ آگ تو پانی سی بھڑکی اور بھی دونی

پڑی ہے خاک پر یہ لاش اُس رشک شہید ان کی
لہو کے آنسوؤں روتا ہے جس کو قتل کر خونی

تو اس قدر جو اُس کا مشتاق ہو رہا ہے
کیا دل سے بھی زیادہ آئینہ میں صفا ہے

کوئی بھی شخص اس کا مارا ہوا نہ پنپا
دل مت کہیں لگانا الفت بُری بلا ہے

سیماب کشتہ کس کا ماء الحیات کیدہر
گر جی کو مار سکئے اسے درد کیمیا ہے

کس کے تئیں نہ دیکھئے کس پر نگاہ کیجئے
کھو لئے جس طرف نظر سمجھئے آہ کیجئے

عہد شکن ہو خواہ وہ دل شکنی کیا کرے
اس کی طرف سے ہو نہ ہو آپ نباہ کیجئے

کعبہ کو بھی نہ جائیے دیر کو بھی نہ کیجے مُنہ
دل میں کسو کے درد یاں ہووے تو راہ کیجئے

نے وہ بہار واں ہی نہ یاں ہم جو اں رہے
ملئے پھر اُس سے آہ پہ وہ دن کہاں رہے

آباد رکھیو خانۂ دنیا کو اے سپہر
یک چند ہم بھی آن کے یاں میہماں رہے

دل اپنے پاس گو کبھو رہتا نہیں ہے درد
پر ہے یہی دعا وہ رہے خوش جہاں رہے

اگر آہ بھریے اثر شرط ہے
وگر ضبط کریے جگر شرط ہے

بڑا غبن فاحش ہے انسان میں
پرکھنے کو اس کے نظر شرط ہے

قدم عشق میں درد رکھتا تو ہے
وہ جانے کہاں میں خبر شرط ہے

لخت جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہ گئے
کچھ پارہائے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے

کس کس طرح سے اُس نے بھی سن سنکے گالیاں
ہر چند ہم بھی باتوں میں کچھ کچھ تو کہہ گئے

اُس کی نظر میں درد یہ کچھ بات بھی نہیں
دانست میں ہم اپنی جو کچھ سن کے سہ گئے

یہ زاہد کب خطا سے بے خطر ہے
اگر آدم نہیں تو بھی بشر ہے

علاج درد سر صندل ہے لیکن
ہمیں گھسنا ہی اُسکا درد سر ہے

سراپا چشم ہوں جوں آئینہ پر
کسو پر درد کب میری نظر ہے

کروں کس کے ساتھ اے شرر گرمجوشی خبر اپنی لے اے گلستانِ خوبی	نہ دیکھی زمانے کی تو چشم پوشی کرے ہے تبسم ترا گل فروشی

پٹ مست ہے بوئے نرگس چمن میں
کسو کی تو آنکھوں نے کی بادہ نوشی

جگر پہ داغ نے میرے یہ گلفشانی کی مری سی نالہ تراشی نہ کر سکا فرہاد	کہ اس نے آپ تملتے کو مہربانی کی اگرچہ اُس نے بھی اک عمر تیشہ رانی کی

ہم اپنی عمر ہیں دنیا سے ہو گئے بیزار
عجب ہے خضر نے کیونکر کہ زندگانی کی

دل سمت سینہ یا طرف سر کو منہ کرے کیا کم ہے مرغ قبلہ نما سے یہ مرغ دل اُس کے تئیں بھی دختر رز ٹک تو منہ لگا مست آنکھوں تو اس میں کہ مشہود کون ہے دونوں جگہ ہیں معنی مولا ہی جلوہ گر	بھوڑا یہ درد دیکھئے کیدہر کو منہ کرے سجدہ اُدہر ہی کیجئے جیدہر کو منہ کرے میں جانوں پھر یہ زاہد اگر گھر کو منہ کرے ہر مرتبہ میں دیکھیو موجود کون ہے غافل ایاز کون ہے محمود کون ہے

تجھ پر کھلا ہے راز الیہ المصیر اگر
ہر فعل تو سمجھیو کہ مقصود کون ہے؟

ولہ

اک خلق سیہ مست مے بیخبری ہے ہر آہ شرر بار ہے جوں سروِ چراغاں غافل تو کدھر چلے ہے ٹک دل کی خبر لے	کس زلف کی بُو تجھ میں نسیم سحری ہے کیا آگ الٰہی مرے سینہ میں بھری ہے شیشہ جو بغل میں ہے اُسی میں تو پری ہے

رباعیات

جان تو اک جہان رکھتا ہے	کون میری سی جان رکھتا ہے

تیرے یہ ڈھنگ اور تجھ سے میاں
درد کیا کیا گمان رکھتا ہے

نہیں چھوڑتی قید ہستی مجھے
اگر کھینچ لے جائے مستی مجھے

زمانے نے اے درد جوں گردباد
دکھائی بلندی و پستی مجھے

کیا جانئے کیا دل پہ مصیبت یہ پڑی ہے
اک آگ سی کچھ ہے کہ وہ سینے میں گڑی ہے

اس طرح سے اک لخت جو آنسو نہیں تھمتے
معلوم ہوا درد کہیں آنکھ لڑی ہے

بس ہے یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ
جائے چراغ کوئی دل مہربان جلے

اے درد کیا عجب ہے میرے اشک و آہ سے
ڈوبے اگر زمین و گر آسمان جلے

آیا نہ چین جی کو نہ دل سے تپک گئی
میں چپ ہوں کہاں تئیں چھاتی تو پک گئی

اب کون حال دل کہے اس مست ناز سے
اک آہ تھی سو وہ بھی سر اپنا ٹپک گئی

دل ہی یہ بے قرار نہ ہووے تو کیا کرے
اپنا جب اختیار نہ ہووے تو کیا کرے

عاشق تو جانتا ہی نہیں اور کون ہے
اس کو پر اعتبار نہ ہووے تو کیا کرے

نہ ملئے یار سے دل کو تو کب آرام ہوتا ہے
اگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

یہ حسن و عشق مل سمجھیں گے آپس میں جو کچھ ہوگا
پران دونوں کے الجھیڑے میں اپنا کام ہوتا ہے

یہی پیغام درد کا کہنا
گر کوئی کوئے یار میں گذرے

کون سی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گذرے

ہمارے جامہ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی
گریباں میں ہے مثل صبح اک تار نفس باقی

یکایک عشق کی آتش کا شعلہ اسقدر بھڑکا
نہ چھوڑا سرزمین دل میں کوئی خار و خس باقی

گلرخوں کا بحر و بر میں جو کہ کہئے ہوش ہے
ہمنے دریا میں بھی دیکھا بلبلوں کا جوش ہے

وصف خاموشی کے کچھ کہنے میں آسکتے ہیں کب
جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے

گرجان ہے تو جان کے آزار ساتھ ہے
یاں زندگی کے مردن دشوار ساتھ ہے

دنیا وہ فاحشہ ہے کسو سے نہیں بچی
دیکھا جسے تو اسکے یہ مردار ساتھ ہے

پوچھ مت قافلہ عشق کدھر جاتا ہے
راہ رو آپ سے اس رہ میں گذر جاتا ہے

گو اچٹتا ہے مرا نالہ بتوں کے دل سے
کچھ نہ کچھ کام تو اپنا بھی یہ کر جاتا ہے

گر معرفت کا چشم بصیرت میں نور ہے
تو جس طرف کو دیکھئے اس کا ظہور ہے

آتی ہے دل میں اور ہی صورت نظر مجھے
شاید یہ آئینہ بھی کسی کے حضور ہے

نہ کچھ غیر سے کام نے یار سے
کہیں چھوٹوں اس دل کے آزار سے

مجھے دیکھ دشنام کہنے لگا
نہ ہوگا خوش اب بھی تو بیزار سے

غیر اُس کوچے میں اب دیکھا تو کم آنے لگے
تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے

کون ایسا آرہا ادھر کہ تم اس کی طرف
آنہ پھرتے تھے کبھو یا دم بدم آنے لگے

افراد

سلجھتی بات جن طرحوں میں ہم ویسا ہی سلجھاتے
یہ الجھیڑا نظر آتا نہ اپنا دل نہ الجھاتے

گل کھائے تھے جنہوں نے وہ گل کچھ نکچھ کھلے
پر داغ اپنے دل کے تو سب خاک میں ملے

اگر نہاں ہے تو تو ہے وگر عیاں تو ہے
غرض کہ دیکھ لیا میں جہاں تہاں تو ہے

دل کو سب قیدوں سے اس وقت ہیں آزادی ہے
مر چکے اب نہ ہمیں غم ہے نہ کچھ شادی ہے

یارب سپہر اتنی تو اب ور گذر کرے
کوئی خانماں خراب کسی دل میں گھر کرے

اس تیغ آبدار کا گر یہ ہی وار ہے
پیارے تو زخمیوں کا ترے بیڑا پار ہے

مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت جہاں تو ہے
اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہاں تو ہے

نہ مرتے ہیں نہ نیند آتی نہ وہ صورت بسرتی ہے
یہ جیتے جاگتے ہم پر قیامت سب گذرتی ہے

نہ یہ قصہ سکندر کا نہ مذکور سلیمانی
ہماری بزم میں ہوتا ہے اور ہی فکر سلطانی

ازبسکہ جہاں نقش فنا کا ہی نگیں ہے
دل جس سے لگا پھر اُسے دیکھا تو نہیں ہے

طلسم ہستی موہوم دل پر سخت چنبر ہے
برنگ عکس مجھ کو آئینہ سد سکندر ہے

تعین گر مٹے دل سے تو کفر آثار ہو جائے
اگر عقدے کھلیں تسبیح کے زنار ہو جائے

تری آنکھیں دکھا دیجے تو نرگس مست ہو جائے
اگر دیکھے یہ قامت سرو گلشن پست ہو جائے

نالہ ہے سو بے اثر اور آہ بے تاثیر ہے
سنگدل کیا تجھ کو کہئے اپنی ہی تقدیر ہے

تجھ بن کیا کہوں تجھ سے کس طرح کٹے ہے
نے دن ہی نبڑتا ہے نہ یاں رات کٹے ہے

کیجئے کیا آہ کدھر جائیے
چھوٹیے اس دکھ سے جو مر جائیے

اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے
مانس ہے یا کہ پھانس کھٹکے ہے

مشابہ کوئی ان آنکھوں سے کم ہے
یہ نرگس ہے سو مرفوع القلم ہے

عبث دل بیکسی اپنی پہ تو ہر وقت روتا ہے
نہ کر غم اے دوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے

بت پرستی ہے اب نہ زینت شکنی
کہ ہمیں تو خدا سے آن بنی

نہیں ہے بے سبب یہ خندۂ دنداں نما ہردم
کسو کے نو لہو پینے پہ یعنی دانت رکھتا ہے

زبس درد جدائی نے تیری بندوں کو مارا ہے
اگر آزار بھی ہونا ہے تو وجع مفاصل ہے

دیکھ کر رخسار تیرے کی صفا
آئینہ کی یاں اکھڑتی ہے قلعی

رباعیات متفرق

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینہ کب تلک پریشاں نظری
اب مونڈ لے آنکھ بس جہاں کو دیکھا

؎
دیکھا ہے میں نے زندگی کا جیسے سپنا
جلنا ہے سدا ہے مجھ کو نت ہے کھپنا
تقصیر معاف تب ہی ہوگی اے درد
جوں شمع کروں گا جب قدمبوس اپنا

؎
اے درد یہ کون صبر کو لوٹ گیا
یوں تجھ سے جو ضبط یک بیک چھوٹ گیا
کیا تجھ پہ مصیبت پڑی ایسی ظالم
کہ تو بھی جی ڈھا کہ دل ٹوٹ گیا

؎
عاشق تجھ کو جو گھر نہ پاتا ہوگا
کیا کیا کچھ اس کے دل میں آتا ہوگا
اوروں سے بھی تجھ کو تو خوشی حاصل ہے
تیرا جی وہاں بھی بہل جاتا ہوگا

؎
پیدا اگر ہے ہر چند تقدس بندا
مشکل ہے کہ ہو حرص سے دل برکندا
جنت میں بھی اکل و شرب ہے کب ہے نجات
دوزخ کا بہشت میں بھی ہوگا دھندا

؎
اے درد یہ پیکھنا جو آکر دیکھا
کچھ تو ہی بتا کہ دل لگا کر دیکھا
مانند مژہ اٹھ گئی صف کی صف ہے
ہم نے تو جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھا

ہم نے بھی کبھو جام و سبو دیکھا تھا
جو کچھ کہ نہیں ہے روبرو دیکھا تھا
ان باتوں کو اب جو غور کرتے اے درد
کچھ خواب سا تھا کہ وہ کبھو دیکھا تھا

ولہ

مونداآنکھ سدا لب تئیں دن ٹالئے گا — غفلت کے تئیں بغل میں یوں پالئے گا
اے دردؔ مراقبہ تو کرتے ہو ولے — ٹک اپنا گریباں میں سر ڈالئے گا

″

کس کا کون کیا کسو سے کہنا — اپنا اپنا ہر ایک کا ہے کہنا
گذرے ہے اب اس طرح سے اپنی اے دردؔ — رونا چپکے پڑے اکیلے رہنا

″

یارب مقصود خلق کیا میں ہی تھا — ایسا تحفہ جہان میں یا میں ہی تھا
کچھ کام ظہور میں نہ آیا مجھ سے — بس تجھ کو یہ مجھ سے مدعا میں ہی تھا

″

آرام نہ دن کو بے قراری کے سبب — نے رات کو چین آہ وزاری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھو — یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

″

کیا فائدہ گر باز ہے یاں دیدۂ سر — نت پردۂ چشم دل ہے کوری دگر
جوں آئینہ ہر چند کھلی آنکھ ولے — آتا ہے نظر میں عیب اپنا جوہر

″

یوں دیکھ کے اپنے غم سے مجھ کو رنجور — کہتا ہے سمجھ تو یہی گر کچھ ہے شعور
اتنا بھی نہ مر کوئی دونوں جیتا رہ — ملنا ہے تجھے پھر بھی جو مجھ سے منظور

″

اے دردؔ اگرچہ مے میں ہے جوش و خروش — رہتے ہیں ولے اہل تامل خاموش
موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں — گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش

″

اے دردؔ یہ دردجی سے کھونا معلوم — جوں لالہ جگر سے ہاتھ دھونا معلوم
گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن — میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم

″

اے دردؔ بہت کیا پرکھا ہم نے — دیکھا تو عجب جہان کا لیکھا ہم نے
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کو — جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

″

غم کھاتے ہیں اور آنسو نت پیتے ہیں — دن رات مجھے عجب طرح بیتے ہیں
گذرے ہے جو کچھ کہ گذرے ہے کیا کہئے — پر تخفگی یہ کہ اب تلک جیتے ہیں

″

جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں — ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں
اس علم کی انتہا سمجھنا آگے
اے دردؔ ابھی تو نام حق پڑھتا ہوں

اے درد سبھوں سے برملا کہتا ہوں
ملا کو بھی اس میں نہیں چاہیئے انکار
توحید نہیں چھپا چھپا کہتا ہوں
بندہ بندہ خدا خدا کہتا ہوں

دریا پہ عبث جائے ہے ساقی سے کہو
آنکھیں تری یوں نشہ سی جاتی ہیں چڑھی
لے آئینہ دیکھ ظالم اس عالم کو
جوں کشتی چڑھاؤ پہ کھنچی جاتی ہو

کی بہت طریق زہد میں عمر تباہ
جوں کوچہ سوا اک اسی میں دیکھا
اب کیجیئے دل کو معرفت سے آگاہ
کوچہ ہے یہ عمر بستہ نہیں اسمیں راہ

کب جی میں تو دنیا کی طلب بیٹھ سکے
تسکین شہر دق سی ہوتی ہے نصیب
جس دل میں ہوس بھری ہو کب بیٹھ سکے
اٹھ جائے نظر سے خلق تب بیٹھ سکے

مت پوچھ کہ میں نے عمر کیونکر کاٹی
کس واسطے چاہیئے پر یکھا اتنا
جس طرح سے کٹ گئی یہ دوں کر کاٹی
دو روز کی زندگی ہے جوں کر کاٹی

ہر بت کے لئے کب تئیں مرتے رہیئے
اب درد جو کچھ کہ زندگی باقی ہے
کب تک یہ کفر دل میں بھرتے رہیئے
اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیئے

اے بحر علوم سب کو باری باری
تا حشر تری مریدی و پیری کا
ہے تجھ سے ہی اب حصول فیض باری
جوں موج یہ سلسلہ رہے گا جاری

آزادی معرفت نے اے درد کبھی
کیوں اتنی اٹک رہی ہے ای قید حیات
عقدہ نہ کیا قبول جی پر کوئی
یہ بھی جو گرہ سی ہے سو کھل جائے کبھی

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی
کل اور کوئی بیان کرے گا اس کو
اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

یا اُس نے ہی کچھ رسم تغافل کم کی
رونے کو مرے تولے ہے وہ نظروں میں
تاثیر پڑی ہے یا کہ اپنے غم کی
اس گوہر اشک کی بھی رتی چمکی

تیرے لئے درد کو کسی سے نہ بنی
یہ خانہ خراب رفتہ رفتہ آخر
بہتیروں نے چاہا پہ سبھی سے نہ بنی
ایسا بگڑا کہ اپنے جی سے نہ بنی

جوں کال سے بان نال کی پیدائی ہے
دوں تال سے کال کی شناسائی ہے

دیکھی تنزیہ اور تشبیہ تمام	وہ اس کے یہ اُس کے یوں ہی کام آئی ہے
کچھ آپ ہی گرا کے آپ ہی کچھ جیتا ہے	کہتا ہے کچھ آپ آپ ہی سنتا ہے
اے درد ہمیشہ یہ دل دیوانہ	کیا کچھ اُدھیڑتا ہے اور بنتا ہے
عاشق ہوئے جس کے اس کے محبوب بنے	دلخواہ سب اس کے ساتھ اسلوب بنے
تس پر بھی جو کچھ بنی سو دیکھی تم نے	بس درد خدا سے اب تمہیں خوب بنے

رباعی مستزاد

اے درد شب قدر ہے ہر زلف سیاہ　　گر دل سے ہے راہ
ہر خط میں لکھی ہوئی ہیں آیات خدا　　کر ٹک تو نگاہ
جوں آئینہ حیران ہوں میں سرتاپا　　ہے عشق گواہ
آتا ہے نظر حسن میں جلوہ کیا کیا　　اللہ اللہ

مستزاد

گر شوق ہے جی میں حق کے پہچاننے کا　　ابرام کرو
کہتا ہوں سخن چھوٹا سا پر ماننے کا　　اک کام کرو
ہے غیر اگر تم ہیں تو لازم ہے تمہیں　　پہچانو اُسے
اور تم ہی ہو تو فائدہ کیا جاننے کا　　آرام کرو

کیسی تم کو بھاوت ہیں اور کیسی تو سکھ پاوت ہیں
یہ پھلواری درد ہمیں کچھ اور سمو دکھلاوت ہیں
کلیاں من میں سوچت ہیں جو پھول کوئی کملاوت ہیں
جو دن واگو بیت گیو ہے وا دن ہونکو آوت ہیں

مخمسات

باطن سے جنہوں کے تئیں خبر ہے	ظاہر پہ اُنہیں تو کب نظر ہے

پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے	اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے	
خاموش نہ ہو ترک گفتگو کر حیرت میں وصال آرزو کر	باطن کے صفا کی جستجو کر آئینۂ دل کو روبرو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے	
ہستی نے کیا ہی گرم بازار سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار	لیکن ہے یہاں نگاہ درکار آہستہ گذر میان کہسار
ہر سنگ دکان شیشہ گر ہے	
دیدار نما ہے شاہد گل جب دل نے مرے کیا تامل دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے مت ہو دم یاس سے مکدر مانند نگہ نکل تو باہر ہر عجز میں کبریا ہے محجوب کوئی نہیں ہے جہاں میں معیوب گر عیب ہے پردہ ہنر ہے کب سمجھے ہے زاہد ریائی ہے مجھ کو جہاں یہ پرکشائی ہم وحشیوں کے دل میں کچھ اور ہی امنگ ہے ان گم شدوں کے آگے تو عنقا بھی ننگ ہے	اور زلف کشا عروس سنبل تب پردہ رنگ و بو گیا کھل نزدیک و بعید ہے برابر آئینۂ وہم ہے سراسر تیرے تئیں تجھ تلک سفر ہے ہر نقص میں ہے کمال مطلوب آتے ہیں مری نظر میں سب خوب اے درد رموز کبریائی بے عجز نہیں ہے واں رسائی پرواز شکست بال و پر ہے وحشت بھری ہے اور ہے نزنگ ہے اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے	
نے فکر صبح کی نہ غم شام تھا ہمیں جب تک عدم میں تھے عجب آرام تھا ہمیں	نے شوق بادہ تھا نہ سرجام تھا ہمیں اس ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمیں

اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

نے باں ہوئے آپ ہی نے حرص نان کی — نے وحشت سقر نہ ہوس ہے جنان کی
زاہد یہ باتیں سب ہیں ترے امتحان کی — فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی

خطرہ جو ہے سو آئینہ دل پہ زنگ ہے

دیگر

گئی قیمت میں اسکے پاس نقد دین کو لالے — گئی دنیا دکھاتے ہیں کہ یوں سودا یہ بنجائے
ہمیں یہ سوچ ہے وہ خود فراموش اید سر اگر آئے — براہ او چہ در بازیم نے دینے نہ دنیائے

ولے دایم اندیشے ہے سرے دایم وسودائے

مگر ان بیوقوں نے محبت سہل جانی ند — ہوس کرتا ہے تیرے عشق کی ہر ایک نباکٹ بد
ولے یہ شعلہ سرکش تو یوں گرمی کرے ہے کد — بنازم چشم داغنت راعجب مینائے دارد

بغیر از سینۂ پاکاں نمی بدم خوش کند جائے

دیگر

ستاتی ہے مجھے ہر لحظہ کج ادائی دوست — کرے ہے دشمنی اب مجھ سے آشنائی دوست
بڑھی ہے اور طرف جا کے دلربائی دوست — یہ تو بھی دل میں ہے میرے ہی صفائی دوست

وفا مری نہیں دیکھے ہے بیوفائی دوست

مجھے تو نزع میں گذرا ہے صبح سے تا شام — پھر اب جو شام ہوئی صبح تک کسے آرام
غرض کہ مجھ کو ہوئی زندگانی تلخ تمام — کہے ہے سن کے مرا حال وہ مجھے کیا کام

نگاہ کیجیو ٹک رنگ بیوفائی دوست

ترکیب بند

شاہنشہ ملک کفر و دین تو — ہے تخت نشین دل نشیں تو
ہوں لفظ بمعنی آشنا میں — ہے معنی لفظ آفریں تو
اے زیور دست غیب ہر جا — انگشت نما ہے جوں نگیں تو

کافر ہوں نہ ہوں جو کافر عشق
ہے ناز بتان نازنین تو

دشمن ہے کہاں کدہر کو ہے دوست
ہے گرمی بزم مہر و کین تو

ویرانی وادی گمان تو
آبادی خانہ یقین تو

ہیہات جہاں یہ کور چشماں
ڈہونڈے ہیں تجھے تو ہے وہیں تو

کرتا ہے یہ کون دیدہ بازی
گر روشنی نظر نہیں تو

توہی تو ہے دل کی بے حجابی
ہے پردۂ چشم سرمگیں تو

معشوق ہے توہی توہی عاشق
عذرا ہے کدہر کدہر ہے وامق

ہیں منتظر دم صبا ہوں
جوں غنچہ گرفتہ دل بنا ہوں

اک عمر گذر گئی سمجھتے
معلوم کیا نہیں نے کیا ہوں

تنکا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے
شرمندۂ جذب کہربا ہوں

بیگانہ جو مجھ سے یاں پھرے ہے
تقصیر یہ ہے کہ آشنا ہوں

موجود نہ بوجھے کچھ وہ کافر
گر آوے خدا بھی میں تو کیا ہوں

اپنی تو کہوے تیرہ بختی
ہرچند کہ سایۂ ہما ہوں

بے دل تو نہ کر مجھے سمجھ ٹک
میں ہی تو بساط میں رہا ہوں

مشکل ہے مجھے کہیں رسائی
کوتاہی طبع نارسا ہوں

پائی نہ گل وفا کی بو بھی
اس باغ میں جا بجا پھرا ہوں

آیندہ نہ کیجئے محبت
دنیا ہے نپٹ ہی جائے عبرت

میرے دم سرد سے نہیں دور
خورشید اگر ہو قرص کافور

ہوں داغ میں زخم دل کے ہاتھوں
بہتا ہی رہا سدا یہ ناسور

پوچھے کوئی جس کی بات مجھ سے
کرتا ہے مجھے ترا ہی مذکور

ہے غم یہ ترا کہ روز و شب یوں
رکھتا ہے ہمارے دل کو معمور

ایذا ہیں سے دیکھ کیا حلاوت
بے نوش نہیں ہے نیش زنبور

یاں کھولیو تو سمجھ کے آنکھیں
شمع مجلس ہے شعلہ طور

اُتنا نہ ہوا ہیں اُڑ سلیمان
کچھ تخت سے کم نہیں پر مور

قائل نہیں اختیار کا ہیں
بندہ ہے سمجھ میں اپنی مجبور

تو عشق کے رنگ کی سیر کر ٹک
واصل ہے کوئی کوئی ہے مہجور

پروانہ و شمع مل گئے یوں
ہیں بلبل و گل جدا جدا دوں

اس زیست کا اعتبار کیا ہے
کوئی دم میں یہ زندگی ہوا ہے

گذرا ہے نظر سے ایک عالم
یہ چشم نہیں ہے نقش پا ہے

ظالم ٹک ادھر تو دیکھ لے تو
کوئی پل میں خدا ہی جانے کیا ہے

ڈھانا تو ہے دل کے تئیں ولیکن
تو جان یہ خانہ خدا ہے

ہے دید فنا ہی حاصل چشم
عقدہ یہ حباب پر کھلا ہے

ظاہر ہے تجھی سے تو یہ عالم
تو مجھ کو بتا کہیں چھپا ہے

دنیا سے امید پائداری
یہ وہم ترا کدھر گیا ہے

جوں آئینہ منہ کسی سے مت پھیر
ترے دل میں اگر صفا ہے

کچھ پائی خبر نہ ہیں نے دل کی
کس کے وہ خیال میں گیا ہے

ہے میرے تئیں سراغ دل کا
پھرتا ہوں لئے یہ داغ دل کا

مت کہہ کہ فلک میں ہے بڑا ڈھنگ
کس کا ہے سمجھ تو ٹک یہ نیرنگ

اے رشک بہار ہے تجھی سے
یہ روئے زمیں پہ آب اور رنگ

برعکس سمجھ صفا کو اس کی
آئینہ کے دل میں ہے بھرا زنگ

اے شیشہ گراں نہیں یہ مینا
پگھلا ہے شراب پر دل سنگ

کرتا ہے تو صلح غیر سے تو
ہم سے ہے مگر ارادہ جنگ

حیرت کا مری تو یہ اثر ہے
وہ بھی مجھے دیکھ رہ گیا دنگ

میں پہونچوں خیال کی طرح واں
گر مجھ سے ہو تو ہزار فرسنگ

کرتا ہے یہ دل تو روز نالے
ہے نے سے زیادہ تر خوش آہنگ

میں غنچہ دل گرفتہ دل
تو عقدۂ کشائے خاطر تنگ

جوں خم مجھے تو شگفتہ دل رکھ
مت تیغ سے اپنی منفعل رکھ

عاشق ہے اور اضطرار کرنا
اک جا نہ کہیں قرار کرنا

ہم بھی ہیں امیدوار بوسے کے
ایدھر بھی صبا گذار کرنا

اے عشق قسم ہے قتل گر ہیں
پہلے تو ادہر ہی وار کرنا

دل اس کی گلی کو جب چلے تو
میرا بھی ٹک انتظار کرنا

مینا کو نہ توڑ محتسب تو
میرے تئیں سنگسار کرنا

ظالم ہیں تری یہ چشم قاتل
عاشق سے انہیں نہ چار کرنا

ہو میرے سوا یہ کس سے ناحق
اپنے تئیں یوں نزار کرنا

اے وعدہ خلاف کب تلک یہ
بے فائدہ انتظار کرنا

آشفتہ دلوں کو مت ستانا
زلفوں میں نہ دیکھ شانہ کرنا

وابستہ ہے اُن سے مُو بمو دل
مت ٹوٹ پڑے کوئی کبھو دل

مدت تئیں عشق دل پہ در تھا
دیکھا تو عبث کا دردسر تھا

آنکھوں نے جدھر کی تیر بازی
تھا دل ہی مرا کہ واں سپر تھا

زخمی نہ بچا تری نگاہ کا
جو زخم تھا سو وہ کارگر تھا

ہو سامنے کون اُس مژہ کے
میرا ہی تو یہ دل و جگر تھا

پوچھا ہیں کہ دل کو کیوں اجاڑا
کہنے لگا خوب اپنا گھر تھا

ہیں ہم بھی صبا ترے تو ہمراہ
مدت سے ارادہ سفر تھا

اے نالہ پھرے ہے کیوں بھٹکتا
تجھ میں بھی کبھو تو کچھ اثر تھا

کیوں ردّ و قبول میں ہے جھگڑا
مجھ میں نہ تو عیب نے ہنر تھا

اے وردِ جہاں کہیں ہیں دیکھا
وہ یار مرا ہی جلوہ گر تھا

خاموش ہو مت جتا کسو کو
آتا ہے نظر خدا کسو کو

مطبوعات دکان شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
فریاد امت ۔ بروضۂ خاتم نبوت	۳ ر	مقامات حمیدی ۔ فارسی	۸عہ ر
نالۂ یتیم ۔ درد انگیز نظم "	۲ ر	" ترجمہ اردو	۸عہ ر
قصائد قاآنی ۔ ردیف الف ۔ ب		غزلیات نظیری نیشاپوری	عا ر
مشمولہ امتحان منشی فاضل	عہ ر	مثنوی زہر عشق "	۴ ر
رباعیات ابوسعید ابوالخیر "	عہ ر	شکوۂ ہند ۔ از مولانا حالی	۲ ر
رباعیات سحابی استرآبادی ۔ جو کہ		چپ کی داد ۔ "	۲ ر
بی اے فارسی کورس کا ایک حصہ ہیں	۸ ر	مسدس حالی "	۸ ر
مرد خسیس ۔ فارسی ڈرامہ "	۱۲ ر	ترجمہ و شرح رباعیات ابوسعید ابوالخیر	۱۲ ر
حدایق البلاغت سفید کاغذ	۱۲ ر	خلاصہ شعر العجم حصہ سوم "	۶ ر
" خانی کاغذ	۱۰ ر	" حصہ چہارم "	۸ ر
والفضل ۔ دفتر اول وسوم	۴عہ ر	" حصہ پنجم "	۴ ر
والفضل دفتر اول کا ترجمہ موسومہ		پرشین کمپوزیشن "	عہ ر
وبات علامی " "	عہ ر	لمعات افصح گیاوی "	۶ ر
نخ جہانکشائے نادری "	عا ر	المامون مولانا شبلی	عہ ر
زن اسرار نظامی خانی "	۱۰ ر	الفاروق " ۸عا ر	۸عہ ر
حکیم نباتات ۔ فارسی ڈرامہ	۴ ر	اردوئے معلی ۔ مرزا غالب مرحوم	۸عا ر

المشتہر

شیخ مبارک علی تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور

۸۹۱۶۲۳۱۴
د - د

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

31 DEC. 1958 21.2.63		

[illegible]

جامعہ عثمانیہ [illegible]

۱- اراکین مجلس [illegible]

۲- اساتذہ جامعہ عثمانیہ [illegible]

[illegible]

۳- [illegible]

۴- [illegible]

۵- [illegible]

۶- [illegible]

[illegible]

۷- [illegible]